ماہنامہ
جہدِ حق
پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
HRCP

Registered No. CPL-13

جلد نمبر 32... شمارہ نمبر 08... اگست 2024

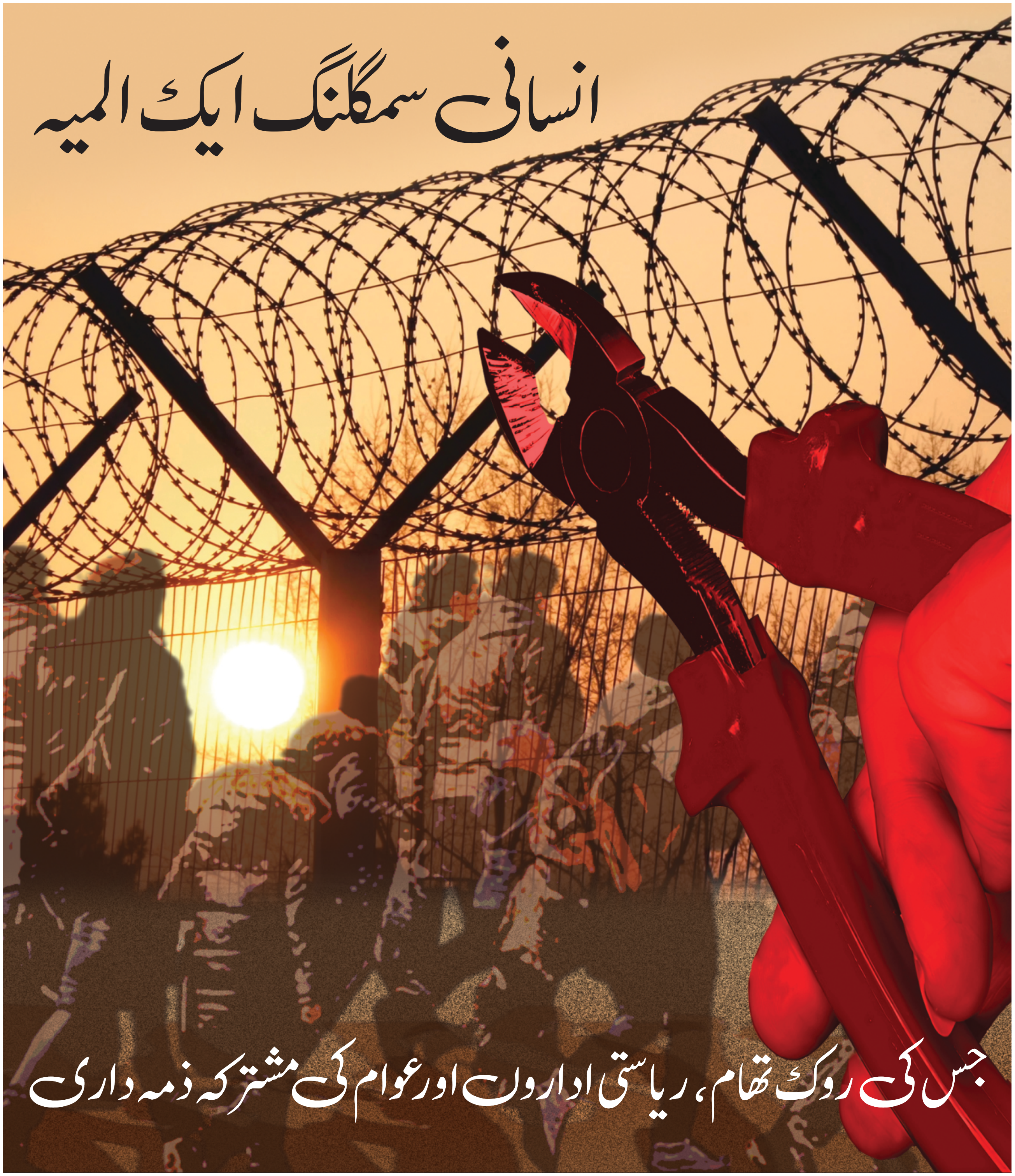

ایچ آر سی پی شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔اس وقت سے،ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ہم جونہی خواتین کے خلاف تشدد،محکمہ جاتی مسائل،اقلیتوں کے حقوق،جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب،جبری گمشدگیوں،سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔تاہم،مالی معاونت،سیاسی پناہ،جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار

جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کردیتے ہیں۔ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے،جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کرسکتے ہیں،واٹس ایپ کرسکتے ہیں،ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کرسکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کرواسکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کرسکتے ہیں۔

لاہور

ایوان جمہور۔107 ٹیپو بلاک،نیو گارڈن ٹاؤن،لاہور 54600
فون : +92 42 3586 4994, 3583 8341, 3586 5969
ای۔میل : hrcp@hrcp-web.org
ویب سائیٹ : www.hrcp-web.org

مرکز شکایات سیل
فون : +92 042 3584 5969
موبائل : +92 0321 341 4884
ای میل : complaints@hrcp-web.org

کراچی

یونٹ نمبر 08،فلور 1
سٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (الاکو ہاؤس)
عبداللہ ہارون روڈ
صدر،کراچی۔74400
فون : +92 21 3563 7131, 3563 7132
شکایات سیل (موبائل) : +92 315 111 6287
ای میل : karachi@hrcp-web.org

پشاور

43،گلشن اقبال لین
(نزد ارباب روڈ سٹاپ)
یونیورسٹی روڈ،پشاور
فون : +92 091 584 4253
شکایات سیل (موبائل) : +92 0318 950 0640
ای میل : peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد

آفس 1-B،فلور 2
بلاک ڈی-12،(اوپر فیصل بینک)
جی 8،مرکز،اسلام آباد
فون : +92 51 835 1127
شکایات سیل (موبائل) : +92 333 569 4773
ای میل : islamabad@hrcp-web.org

کوئٹہ

فلیٹ نمبر C-6
کبیر بلڈنگ
ایم۔اے جناح روڈ،کوئٹہ
فون : +92 81 282 7869
شکایات سیل (موبائل) +92 306 294 6125
ای میل : quetta@hrcp-web.org

حیدر آباد

306- فائزہ آرکیڈ،(لوفٹ اینڈ میزانائن فلور)
نزد مسجد حاجی شاہ بخاری درگاہ
صدر کنٹونمنٹ،حیدر آباد
فون : +92 22 278 3688, 720 770
فیکس : +92 22 278 4645
شکایات سیل (موبائل) : +92 310 339 2222
ای میل : hyderabad@hrcp-web.org

ملتان

2511/5A ابدالی کالونی
نزد بریٹین سکول
ملتان
فون : +92 61 451 7217
شکایات سیل (موبائل) : +92 331 665 5529
ای میل : multan@hrcp-web.org

گلگت

آفس نمبر 8-9،رانگ یل پلازہ
جماعت خانہ روڈ،ذوالفقار آباد کالونی،
جتیال،گلگت
موبائل : +92 0344 547 5553
شکایات سیل (موبائل) : +92 355 454 1088
ای میل : gilgit@hrcp-web.org

تربت/مکران

پرواز ہاؤس،
بالمقابل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
پسنی روڈ،تربت،کیچ
فون : +92 852 413 365
شکایات سیل (موبائل) : +92 323 234 2406
ای میل : turbat@hrcp-web.org

فہرست

پریس ریلیزیں 03

ایچ آر سی پی کے ٹوئیٹس 04

خطرناک سفر، پاکستان میں انسانی اسمگلنگ 05

نفرت انگیزی کا کلچر 07

نہ زندہ نہ مردہ، جبری گمشدگیوں کے خلاف بلوچ خواتین کی جدوجہد 09

جنت نظیر پاراچنار فرقہ وارانہ فسادات کا گڑھ کیسے بنا؟ 10

گوادر، پارہ چنار اور بنوں میڈیا سے غائب: ایسے واقعات کو کوریج نہ دینا فیک نیوز کی وجہ بنتا ہے؟ 12

دنیا کا ہر ملک صنفی مساوات کے حصول میں ناکام 14

پاکستان میں بچوں کو متاثر کرنے والے مسائل 15

سماجی تنظیموں کے وفد کی چولستان ترقیاتی اتھارٹی کے مینیجنگ ڈائریکٹر سے ملاقات 16

قلم آزاد 17

یو این اداروں کا جنسی و تولیدی صحت تک رسائی عام کرنے کا مطالبہ 18

استاد کے قتل کا سودا 19

عزمِ استحکام آپریشن انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا باعث نہیں بننا چاہئے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کو حال ہی میں اعلان کردہ عزمِ استحکام آپریشن کے ممکنہ اثرات پر تشویش ہے جس کے ذریعے وفاقی حکومت نے ملک میں بڑھتی ہوئی عسکریت پسندی سے نمٹنے کی تجویز پیش کی ہے۔

اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ریاست کو ملک بھر میں بگڑتی ہوئی امن وامان اور سکیورٹی کی صورتحال سے فوری طور پر نمٹنا چاہیے، تاہم ایچ آر سی پی کو اس اقدام کی شفافیت پر تشویش ہے۔ ریاست کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس طرح کے اقدامات کا تعلق صرف سکیورٹی سے نہیں بلکہ ان کا ایک سیاسی تناظر بھی ہے۔ چنانچہ، پارلیمنٹ کو جہاں تک ممکن ہو تمام سیاسی حلقوں کے خدشات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس آپریشن کا احتیاط اور شفافیت سے جائزہ لینا چاہیے۔

ایچ آر سی پی کو سب سے زیادہ فکر اس بات کی ہے کہ اس اقدام سے عام شہریوں پر ممکنہ طور پر منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ ان میں بہت سے ایسے خاندان بھی شامل ہیں جو اس سے پہلے کے سکیورٹی آپریشنز کی وجہ سے بے گھر ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو اب تک معاوضہ نہیں دیا گیا نہ ہی ان کی بحالی کے لیے اقدامات کیے گئے ہیں۔

عسکریت پسندی سے نمٹنے کے کسی بھی حقیقت پسندانہ اقدام میں متاثرین کے حقوق کو نظرانداز نہیں کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ، اس آپریشن کو مزید جبری گمشدگیوں، حراستی مراکز یا فوجی عدالتوں کے استعمال، ماورائے عدالت قتل، غیر قانونی گرفتاریوں یا حراستی تشدد کے جواز کے طور پر استعمال نہیں کیا جانا چاہیے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 09 جولائی 2024]

پی ٹی آئی پر پابندی کا فیصلہ غیر آئینی ہے، لہٰذا اِسے فی الفور واپس لیا جائے

ایچ آر سی پی کو پی ٹی آئی پر پابندی کے فیصلے پر شدید تشویش ہے۔ نہ صرف یہ اقدام آئین کے آرٹیکل 17 کے تحت اراکینِ جماعت کے انجمن سازی کے حق کی کھلی خلاف ورزی ہے، بلکہ جمہوری اقدار کے لیے بھی بہت بڑا دھچکہ ہے، خاص طور پر اس تناظر میں کہ عدالتِ عظمٰی نے حال ہی میں اپنے متفقہ فیصلے میں پی ٹی آئی کو ایک سیاسی جماعت قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ، یہ اقدام سیاسی بوکھلاہٹ کا نتیجہ معلوم ہو رہا ہے کیونکہ یہ ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب عدالتِ عظمٰی نے پی ٹی آئی کو عورتوں اور اقلیتوں کی نشستوں کا حق دار ٹھہرا کر اِسے قومی اسمبلی میں سب سے بڑی جماعت بنا دیا ہے۔

ایچ آر سی پی کا مطالبہ ہے کہ یہ غیر آئینی فیصلہ فوری طور پر واپس لیا جائے۔ اگر اس پر عملدرآمد کیا گیا تو اس سے مزید سیاسی انتشار، محاذ آرائی اور تشدد کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔

کوئی بھی حکومت چیزوں کو صرف اپنے نقطہ نظر سے نہیں دیکھ سکتی اور نہ ہی سیاسی جماعتوں پر پابندی لگانے اور انہیں ملک دشمن قرار دینے کے نتائج کو آسانی سے فراموش کر سکتی ہے۔ ورنہ، اِس طرح کے اقدامات سے وہ خود کو ہی نقصان پہنچائے گی۔

ایچ آر سی پی حکومت کو یہ بھی یاد دلانا چاہتا ہے کہ اسے گھمبیر مسائل میں گھرے شہریوں کی مدد کو ترجیح دینی چاہیے جو بڑھتی ہوئی مہنگائی، تشدد، جرم اور شدت پسندی کا شکار ہیں۔ یہ مقصد وہ اپنے سیاسی اتحادیوں اور مخالفین کی حمایت کے بغیر حاصل نہیں کر سکتی۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 15 جولائی 2024]

ایچ آر سی پی کے ٹوئیٹس

8 جولائی: ایچ آر سی پی بلوچستان کے علیحدگی پسند گروہوں سے پُرزور اپیل کرتا ہے کہ وہ کوئٹہ کے نزدیک شابان میں اغوا ہونے والے سیاحوں کو انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر رہا کریں۔ وہ عام شہری ہیں جنہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ بلوچستان کے عوام کے جائز بنیادی حقوق کا حصول لگاتار فوجی کارروائیوں کی بجائے صرف سنجیدہ سیاسی مذاکرات کے ذریعے ہی ممکن ہے جن کے آغاز کی ذمہ داری ریاست پر عائد ہے۔

10 جولائی: ایچ آر سی پی کو وفاقی حکومت کی طرف سے جاری کیے گئے حالیہ غیر آئینی نوٹیفکیشن پر سخت تشویش ہے جس میں انٹیلی جنس اہلکاروں کو 'قومی سلامتی' کے مفاد میں کسی بھی شہری کی فون کال کو روکنے اور اس کا سراغ لگانے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ نوٹیفکیشن آئین کے آرٹیکل 9، 14 اور 19 کے تحت شہریوں کو حاصل آزادی، عزت نفس اور رازداری کے حقوق کی واضح خلاف ورزی ہے۔ یہ محترمہ بینظیر بھٹو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے کی روح کے بھی خلاف ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ یہ نوٹیفکیشن اسلام آباد ہائی کورٹ کے اس حکم کے بعد جاری کیا گیا ہے جس میں کہا گیا تھا کہ ریاستی حکام شہریوں کی نگرانی کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ حکومتوں اور انٹیلی جنس ایجنسیوں دونوں کے خراب ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے، خدشہ ہے کہ اس اقدام کو بلیک میلنگ، ہراسانی اور دھمکیوں کے ذریعے سیاسی اختلاف کو روکنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ حکومت کو فوری طور پر نگرانی کی تمام سرگرمیوں کے حوالے سے جانچ اور توازن کا سخت نظام متعارف کرانا چاہیے جیسا کہ انویسٹی گیشن فار فیئر ٹرائل ایکٹ 2013 میں تجویز کیا گیا ہے۔

11 جولائی: ایچ آر سی پی کوئٹہ میں ظہیر بلوچ کی مبینہ جبری گمشدگی کے خلاف احتجاجی ریلی نکالنے والے مظاہرین جن میں خواتین بھی شامل تھیں، پر ہونے والے تشدد کی شدید مذمت کرتا ہے۔ ظہیر بلوچ ڈاک خانے میں ملازمت کرتے ہیں جنہیں 27 جون کو کچھ نامعلوم افراد نے کوئٹہ سے اغوا کرلیا تھا۔ جبری گمشدگیوں کی لگاتار اطلاعات، خاص طور پر بلوچستان میں تواتر سے پیش آنے والے ایسے واقعات کے باوجود ریاست نے اِس ظالمانہ عمل کی روک تھام کے لیے سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اُلٹا یہ جبری گمشدگیوں کے خلاف ہونے والے احتجاجی مظاہروں کو منتشر کرنے کے لیے ہمیشہ تشدد کا سہارا لیتی ہے جو کہ لوگوں کے پُرامن اجتماع کے دستوری حق کی خلاف ورزی کے مترادف ہے۔ ایچ آر سی پی مطالبہ کرتا ہے کہ ظہیر بلوچ کا فی الفور سراغ لگایا جائے اور اُن کے اغوا کاروں کا محاسبہ کیا جائے۔

19 جولائی: ایچ آر سی پی کو بنوں میں پرامن مظاہرین پر سکیورٹی اہلکاروں کی مبینہ فائرنگ کے نتیجے میں کم از کم ایک شخص کی ہلاکت اور 20 سے زائد کے زخمی ہونے کی اطلاعات پر تشویش ہے۔ ان میں سے ہزاروں افراد عسکریت پسندی کے خاتمے اور مزید سکیورٹی آپریشنز نہ کرنے کا مطالبہ کرنے اور خطے میں امن و استحکام کی دیرینہ خواہش کے اظہار کے لیے جمع ہوئے تھے۔ ریاست کی جانب سے شہریوں کے زندگی کے حق اور پرامن اجتماع کی آزادی کے حق کی بظاہر دانستہ خلاف ورزی قابل مذمت ہے اور ایسے اقدامات شہریوں کے امن کے مطالبات کی توہین کے عکاس ہیں۔ صوبائی اور وفاقی حکومتوں کو مظاہرین اور ان کے جائز تحفظات پر فوری طور پر توجہ دینی چاہیے اور مظاہرین کی ہلاکتوں اور زخمی ہونے کے ذمہ داروں کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ مزید یہ کہ خطے میں امن و امان کی بحالی کے لیے کیے گئے کسی بھی اقدام پر پارلیمان میں شفاف بحث ہونی چاہیے اور متاثرہ افراد کے حقوق کا تحفظ کیا جانا چاہیے۔

25 جولائی: ایچ آر سی پی اپنے چیئرپرسن اسد اقبال بٹ کی فوری اور غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کرتا ہے جنہیں کراچی میں پولیس نے بلاجواز گرفتار کیا ہے۔ ایچ آر سی پی کا خیال ہے کہ یہ اقدام اسد اقبال بٹ جیسے انسانی حقوق کے دفاع کاروں کی آواز کو دبانے کا ایک حربہ ہے۔

6 اگست: ہمیں یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ہماری سالانہ رپورٹ 'پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال 2023' کا اردو ترجمہ اب ہماری ویب سائٹ پر دستیاب ہے۔ رپورٹ میں پاکستان بھر میں شہری، سیاسی، اقتصادی، سماجی، ثقافتی اور ماحولیاتی حقوق کی خلاف ورزیوں، رجحانات اور پیش رفت سمیت انسانی حقوق کی مجموعی صورتحال کا جائزہ لیا گیا ہے۔

خاص طور پر اس رپورٹ میں ان لاکھوں عام شہریوں کی حالت زار کی نشاندہی کی گئی ہے جو 2023 میں مہنگائی، خوراک کی قلت اور بجلی اور ایندھن کے بے تحاشہ بلوں کے باعث متاثر ہوئے۔ معاشی انصاف کی ضرورت اب پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔

خطرناک سفر

پاکستان میں انسانی اسمگلنگ

ازور شکیل

تعارف

پاکستان سے بے قاعدہ تارکین وطن کے بارے میں بی بی سی اردو کی ایک فلم میں ایک ایسے شخص کی کہانی بیان کی گئی ہے جس کے والد ناقص انفراسٹرکچر اور ٹرانسپورٹیشن کی وجہ سے ہونے والی تاخیر کے باعث علاج کے لیے گاؤں سے بروقت شہر نہ پہنچ پانے کے باعث راستے میں انتقال کر گئے۔ اپنے والد کو کھونے کے بعد، اس شخص نے عہد کیا کہ اگر وہ بڑھاپے میں بیمار ہو جائے تو وہ کبھی بھی اپنے والد جیسی قسمت کا نشانہ نہیں بنے گا۔ اس نے اپنے لیے بہتر مستقبل کے لیے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن قانونی طور پر ایسا کرنا مالی طور پر ناممکن تھا۔ چنانچہ مجبوراً اسے ایک انسانی اسمگلر کے پاس جانا پڑا۔

ناامیدی کی ایسی بے شمار کہانیاں ہیں۔ غیر قانونی طور پر سرحد عبور کرنے کا فیصلہ تقریباً ہمیشہ ان لوگوں کے لیے آخری حربہ ہوتا ہے جو اپنے گھرانوں کی زندگیوں کو بہتر بنانا چاہتے ہیں لیکن انہیں پاکستان میں ایسا کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔

انسانی اسمگلنگ: انتخاب کا سوال؟

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے مشاہدے میں آیا ہے کہ انسانی اسمگلنگ پر انسانی حقوق کے نقطہ نظر سے کبھی بھی اتنی توجہ نہیں دی گئی ہے جتنی انسانی ٹریفیکنگ جیسے دیگر استحصالی طریقوں پر دی گئی ہے۔ درحقیقت سرکاری سطح پر بھی انسانی اسمگلنگ کے بارے میں رویے یا تو لاعلمی یا بے حسی پر مبنی ہے۔ یہ رویے اس تصور سے جنم لیتے ہیں کہ تارکین وطن لوگ غیر قانونی طور پر سرحدوں کو عبور کرنے کا انتخاب خود کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ سفر کے خطرات اور اس سے جڑے استحصال کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا تصور ہے جس کی وجہ سے تارکین وطن کو وہ ہمدردی نہیں مل پاتی جو انہیں بصورت دیگر ملتی۔ اس کے مقابلے میں، انسانی ٹریفیکنگ، جو کہ گروی مزدوری یا جنسی استحصال کی شکل میں ہوسکتی ہے، عالمی سطح پر انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی تصور کی جاتی ہے۔

اسمگلنگ اور ٹریفیکنگ کو جبر اور رضامندی کی بنیادوں پر تقسیم کرنے سے ان حقائق کو سمجھنے میں مدد نہیں ملتی جن کا سامنا اپنی زندگیوں میں بہتری لانے کے لیے بے تاب لوگوں کو کرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ بھابھا (2005) نے مشاہدہ کیا ہے، 'جن لوگوں کی ٹریفیکنگ ہوتی ہے ان کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی رضامندی نہیں دی ہے اور انہیں "متاثرین" یا "بچ جانے والے" تصور کیا جاتا ہے۔ تاہم، اسمگل کیے جانے والے افراد کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اس مجرمانہ سرگرمی کا حصہ بنے ہیں۔' تاہم، جیسا کہ یہ مضمون استدلال کرتا ہے، اس طرح کی مایوسی سے پیدا ہونے والے اعمال بمشکل رضامندانہ ہوتے ہیں۔ اگر پوچھا جائے تو تارکین وطن کہیں گے کہ ان کے پاس ملک چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ نہیں بچا تھا۔ اگر اس اقدام کو رضامندانہ بھی سمجھا جاتا ہے تو کیا انسانی حقوق اور وقار کے حق کی خلاف ورزی جائز ہے؟

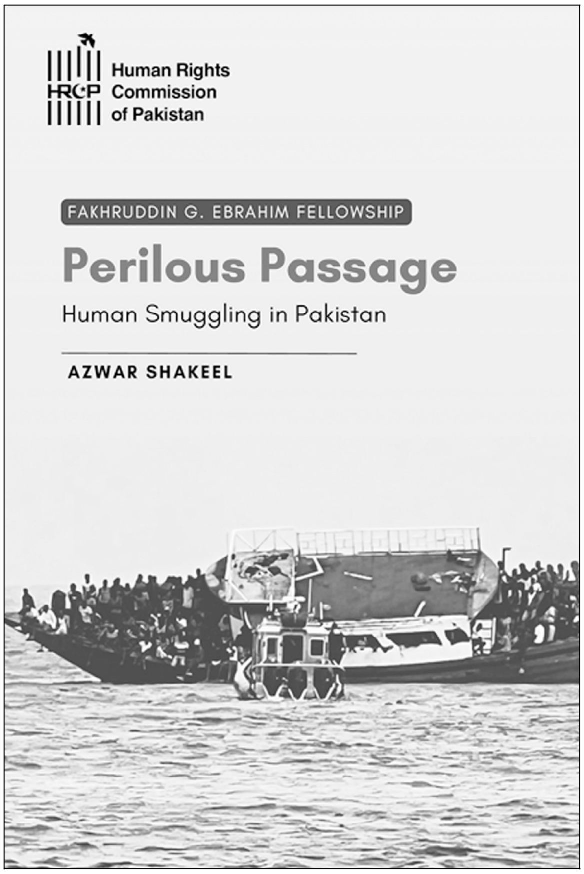

بدقسمتی سے، انسانی اسمگلنگ کے حوالے سے حقوق کی خلاف ورزیوں کے معاملے پر ذرائع ابلاغ صرف اس وقت توجہ دیتے ہیں جب کوئی سانحہ رونما ہوتا ہے، جیسا کہ ماہی گیری کی کشتی جو جون 2023 میں یونان کے جنوبی ساحل سے 80 کلومیٹر دور اُلٹ گئی تھی۔ کشتی تارکین وطن کو لے جا رہی تھی جن میں خواتین اور بچے بھی شامل تھے جو کہ اطلاعات کے مطابق انسانی اسمگلنگ کے ساتھ ساتھ انسانی ٹریفکنگ کا نشانہ بنے تھے۔ کشتی میں سوار کم از کم 200 پاکستانی جان سے گئے۔ اُس وقت کے چیف جسٹس آف پاکستان نے اسے 'انسانی حقوق کا مسئلہ' قرار دیا اور وزیر اعظم شہباز شریف نے انسانی سمگلروں کے خلاف ملک گیر کریک ڈاؤن کا حکم دیا۔ تاہم، اس معاملے کو ملکی توجہ جتنی تیزی سے ملی اتنی ہی تیزی سے کم ہوئی۔ دریں اثنا، ہزاروں لوگ ہر سال بہتر زندگیوں کی تلاش میں پاکستان سے اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ وہ تشدد، بھتہ خوری، بدسلوکی، بلیک میلنگ، قید اور موت سے دوچار ہوتے ہیں۔ پھر بھی ان کے مصائب کی کہانیوں پر کسی کا دھیان نہیں جاتا۔

دائرہ اور طریقہ کار

ایچ آر سی پی کی نگرانی میں فخر الدین جی ابراہیم فیلوشپ کے تحت لکھے گئے اس مضمون کا مقصد انسانی اسمگلنگ کے بیانیے کو بین الاقوامی جرم سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بحران میں بدلنا ہے۔ چنانچہ، 'غیر قانونی تارکین وطن'، 'غیر ملکی' اور 'غیر قانونی مہاجرت' جیسے جملوں کی جگہ 'تارکین وطن'، 'بے قاعدہ تارکین وطن'، 'متاثرین' اور 'بے قاعدہ مہاجرت' جیسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ درحقیقت، کسی گروپ کے بارے میں ہمارا تاثر اس گروپ سے جس طرح ہم مخاطب ہوتے ہیں اس سے بہت متاثر ہوتا ہے۔

مضمون کا آغاز مصنف کے انٹرویو پر مبنی انسانی سمگلنگ کے شکار محمود کے سفر کی کہانی سے ہوتا ہے۔ ان کی کہانی کو پس منظر کے طور پر استعمال کرتے ہوئے، یہ مضمون عالمی اور مقامی طور پر انسانی اسمگلنگ کو کنٹرول کرنے والے قانونی نظام کے ساتھ ساتھ پاکستان میں انسانی اسمگلنگ کے پھیلاؤ کا بھی جائزہ لیتا ہے۔ وہ مقامات جہاں سے انسانی اسمگلنگ کا سفر شروع ہوتا ہے اور اس کام کے لیے زیادہ تر استعمال ہونے والے راستوں کے بارے میں بھی معلومات دی گئی ہیں۔ اس کے بعد یہ اسمگلنگ میں اضافے، اسمگلنگ نیٹ ورکس کی سرگرمیوں اور کاروبار، قانون نافذ کرنے والے

اداروں کے کردار اور حقوق کی خلاف ورزیوں کی نشاندہی کرنے والے عوامل کا جائزہ بھی لیتا ہے۔ آخر میں، یہ بے قاعدہ تارکین وطن کی کہانیوں کے ذریعے وضع کردہ پالیسی سفارشات کا ایک سلسلہ پیش کرتا ہے۔

اس دستاویز میں پیش کیے گئے حقائق کی فیلڈ اور علمی تحقیق کے ساتھ ساتھ ان تفتیشی صحافیوں کے انٹرویوز کے شواہد سے بھی تصدیق کی گئی ہے جو انسانی اسمگلنگ کی رپورٹنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ اس تحقیقی دستاویز میں زیادہ تر پنجاب سے نقل مکانی کرنے والوں کی کہانیوں پر نظر دوڑائی گئی ہے، جو غیر قانونی تارکین وطن اور انسانی اسمگلنگ کا شکار ہونے والوں کا ایک بڑا حصہ ہیں۔

تمام متاثرین کے نام اور شناخت ان کی حفاظت اور رازداری کے لیے تبدیل کر دی گئی ہے۔

سفارشات

انسانی اسمگلنگ کو بڑے پیمانے پر ایک جرم اور سرحدی کنٹرول کے مسئلے کے طور پر دیکھا جاتا ہے — نہ کہ انسانی حقوق کے مسئلے کے طور پر۔ نتیجے کے طور پر، انسانی اسمگلنگ کے متاثرین کو جن حقوق کی خلاف ورزیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے- ان کی آزادی، وقار اور آزادی کے حق کی خلاف ورزی سے لے کر جسمانی نقصان اور غیر انسانی سلوک کے ہمیشہ موجود خطرے تک- پر شاذ و نادر ہی بحث کی جاتی ہے، یہاں تک کہ بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ جہاں انسانی سمگلنگ کی روک تھام کے لیے قانون سازی موجود ہے۔ اس کے مطابق، یہ مطالعہ مندرجہ ذیل سفارشات کرتا ہے۔

نئے بیانیے کی ضرورت ہے

بے قاعدہ مہاجرت ان دنوں ایک مقبول نعرہ بن چکا ہے۔ سیاستدان اکثر سماج کی برائیوں کا ذمہ دار تارکین وطن افراد کو ٹھہراتے نظر آتے ہیں۔ خبروں ایسی ویڈیوز دیکھنے کو ملتی ہیں جن میں تارکین وطن لوگ امن عام کی خراب صورت حال کے دوران سرحدیں عبور کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے بیانیے محض اس طبقے کو مجرم ٹھہرانے کے کام آتے ہیں جو پہلے ہی انسانی حقوق سے عاری فضا میں رہ رہے ہوتے ہیں اور ریاست کی طرف سے بھی انہیں بہت کم حفاظتی انتظامات میسر ہوتے ہیں۔ سماج میں تارکین وطن کے بارے میں پائے جانے والے تاثر اور خاص طور پر سیاسی مقاصد کے لیے اس معاملے کے غلط استعمال کا ایسے دفاعی رویوں پر براہ راست اثر پڑتا ہے۔ انسانی اسمگلنگ کے متاثرین کے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بارے میں پائی جانے والی بے حسی کم کرنے کے لیے، تارکین وطن لوگوں کو مجرموں اور غیر قانونی کام کرنے والے افراد کے طور پر پیش نہ کیا جائے۔

انسانی اسمگلنگ اور ٹریفیکنگ میں مماثلت

پاکستان میں لوگوں خاص طور پر عورتوں اور بچوں کی ٹریفیکنگ کی روک تھام، خاتمے اور سزا کا پروٹوکول اسمگلنگ پروٹوکول سے ملتا جلتا ہے اور یو این سی ٹی او سی کے پروٹوکول کی ضمانتی دستاویز ہے۔ بدقسمتی سے اسمگلنگ پروٹوکل کا اطلاق زیادہ تر غیر مؤثر ہے جبکہ ریاستوں نے انسانی ٹریفیکنگ اور اس کے متاثرین کے خلاف ٹریفیکنگ پروٹوکول کے تحت کارروائیاں کی ہیں۔ یہ فرق اسمگلنگ کو انسانی حقوق کا معاملہ سمجھنے میں ریاستوں کی ناکامی سے پیدا ہوا ہے۔ اسے تبدیل ہونا چاہیے۔ آگے بڑھتے ہوئے، انسانی اسمگلنگ کے ساتھ بھی انسانی ٹریفیکنگ جیسا ہمدردانہ اور حساس رویہ اختیار کیا جائے۔

انسانی اسمگلنگ سے متعلق بین الاقوامی اور ملکی قوانین میں انسانی سمگلنگ میں ترمیم کی جانی چاہئیں اور انہیں تارکین وطن کی عملی زندگیوں کو مدنظر رکھ کر تیار کیا جانا چاہیے۔ پاکستان کے ڈومیسٹک ایکٹ، پریوینشن آف سمگلنگ آف مائیگرنٹس ایکٹ 2018، میں بہت سے نقائص ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں تمام متاثرین کے تحفظ کو بھی نظر انداز کیا گیا ہے۔ انسانی سمنگ کے خلاف ایک نئے قانون کا مسودہ تیار کرنے کے لیے، قانون سازوں کو سول سوسائٹی کے نمائندوں، محققین، ماہرین تعلیم، اور سب سے اہم، متاثرین کے ساتھ مشاورت کرنی چاہیے۔

بین الاقوامی سطح پر پاکستان سمیت جن ممالک نے اسمگلنگ پروٹوکول کی توثیق نہیں کی ہے انہیں اس کی توثیق کرنی چاہیے۔ اسمگلنگ پروٹوکول کو میں ضروری تبدیلیاں لانے کی ضرورت ہے تاکہ تارکین وطن کی ضروریات اور بین الاقوامی اسمگلنگ کارروائیوں میں بدلتے رجحانات کی عکاسی کی جا سکے۔ ان تارکین وطن کو انسانی بنیادوں پر اقامتی اجازت نامے دینا جن کے شاید دوسری صورت میں وہ پناہ گزین کی حیثیت کے لیے اہل نہ ہوں، کو ایک عالمی مشق کے طور پر اپنایا جانا چاہیے، اور خاص طور پر ان ممالک میں جو تارکین وطن کے لیے مقبول مقامات ہیں۔

ایف آئی اے کے کام کے طریقہ کار میں بہتری لائی جائے

قانونی ڈھانچے میں اصلاحات بہت ضروری ہیں۔ فوری اقدام کے طور پر، موجودہ قانونی نظام میں انسانی اسمگلنگ کی روک تھام سے متعلق قوانین کا مکمل اطلاق کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے، ایف آئی اے میں ادارہ جاتی اصلاحات لائی جائیں تاکہ یہ پریوینشن آف اسمگلنگ آف مائگرینٹس ایکٹ 2018 اور متصل ضوابط کے ضابطہ نمبر 9 تحت عائد ذمہ داریاں ادا کر سکے۔

اس کے علاوہ، ایف آئی اے کے اہلکاروں اور پورے ادارے کی چھان بین کی جائے تاکہ بدعنوانی کی وباء پر قابو پایا جا سکے جس سے انسانی اسمگلنگ کے نیٹ ورکس کو آزادی اور کھلی چھوٹ سے کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔

آئی سی سی پی آر اور مہاجرین کنونشن کے تحت تحفظ

آئی سی سی پی آر اور مہاجرین کنونشن پر دستخط اور ان کی توثیق کرنے والے ممالک تارکین وطن افراد کے مفادات اور انسانی حقوق کے تحفظ کے ذمہ دار ہیں۔ بدقسمتی سے، بے قاعدہ مہاجرت کے حوالے سے ریاستوں کے رویے نے انسانی حقوق کے عالمی قوانین کو عملی لحاظ سے غیر مؤثر بنا دیا ہے، خاص طور پر گذشتہ عشرے سے۔ ان قوانین کی دفعات، جن کا اوپر مختصر ذکر کیا گیا ہے، کا مؤثر اطلاق کیا جائے۔ اس حوالے سے، ملک ایک دوسرے کو جوابدہ ٹھہرائیں۔

اس کے لیے یو این سی ٹی او سی کے تحت بین الاقوامی کمیشن بنانے کی ضرورت ہے، ہر کمیشن میں ایسے ممالک شامل ہوں جو انسانی سمگلنگ کے ایک ہی نیٹ ورک کا حصہ ہوں۔ ایسے کمیشنوں کا مینڈیٹ انسانی اسمگلنگ کے مسئلے کو حقوق پر مبنی انداز میں حل کرنے تک محدود ہونا چاہیے۔ اس میں شروع سے ہی ہجرت کو کم کرنے کے لیے گھریلو ریاستوں کے لیے سفارشات وضع کرنا، متاثرین کو مدد اور مدد فراہم کرنا، قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے معیاری آپریٹنگ طریقہ کار، روک کے طور پر کام کرنے والے اسمگلروں کے لیے انتقام، اور انسانی بنیادوں پر عارضی تحفظ یا رہائشی اجازت نامے کے لیے اہلیت کا معیار شامل ہے۔

مذکورہ بالا سفارشات متاثرین کے ہجرت کے سفر کے دوران یا اس کے بعد ان کے انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے ضروری ہیں۔ تاہم، بے قاعدہ ہجرت کی بنیادی وجوہات کو حل کرنا بھی ضروری ہے، جیسا کہ پہلے تفصیل سے بات کی گئی ہے، اور مسئلہ شروع ہونے سے پہلے اس پر قابو پانا بھی ضروری ہے۔ ریاست کو ان سیاسی، معاشی اور سماجی عوامل کو سمجھنا چاہیے جو لوگوں کو ملک چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں، اور مخصوص اور ٹارگٹڈ پالیسیوں کے ذریعے ان کا تدارک کرنا چاہیے۔ مساوی ترقی، سماجی بہبود، صحت، تعلیم، روزگار کے مواقع، عقیدے کی بنیاد پر تشدد کے خلاف تحفظ اور سیاسی تحفظ، آئینی طور پر ذمہ داریاں ہیں جو پاکستان اپنے شہریوں کے لیے رکھتا ہے اور اسے تحفظ، فروغ اور پورا کرنا چاہیے۔

(ایچ آر سی پی کی رپورٹ، 'خطرناک سفر: پاکستان میں انسانی اسمگلنگ سے اقتباسات)

نفرت انگیزی کا کلچر

مذہب یا عقیدے کی آزادی 23-2022

تعارف

پاکستان میں مذہب کے نام پر ہونے والا تشدد بڑھتے بڑھتے اب روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔افسوس ناک بات یہ ہے کہ پاکستان میں اکثریتی فرقے کے مسلمانوں کے جذبات ہی واجب التعظیم سمجھے جاتے ہیں اور انھیں مذہبی اقلیتوں اور دوسرے فرقوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں جہاں قانون نافذ کرنے والے ادارے،توہینِ مذہب کے الزام کا ہدف بننے والوں کو مذہب کے نام پر بے قابو ہجوم کے تشدد اور فرقہ وارانہ گروہوں کے غیض وغضب سے بچا سکیں، لہٰذا اگر کبھی قانون نافذ کرنے والے ادارے ایسا کر پائیں تو ان کی کارگردگی کو بہادرانہ قرار دیا جاتا ہے اور سراہا جاتا ہے۔

زیرِنظر رپورٹ جولائی 2022 سے جون 2023 تک کے عرصے کا احاطہ کرتی ہے۔اس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاستی اداروں نے دسمبر 2021 میں سیالکوٹ میں سری لنکا کے شہری پریانتھا کمارا کے توہین مذہب کے نام پر ہجوم کے ہاتھوں بہیمانہ قتل سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔اس وقت سے آج تک مذہب کے نام پر ماورائے عدالت قتل، تشدد کی کوششوں اور ٹارگٹ کلنگ کے واقعات کا ایک سلسلہ جاری وساری ہے۔

پاکستان کی بڑی سیاسی جماعتوں کے مذہبی کارڈ کا استعمال کرنے اور سیاست دانوں کے بیانات نے، جو اپنی انتخابی مہم میں مذہب کے نام پر سیاست کرتے ہیں،فرقہ وارانہ بیانیوں کو مزید مضبوط بنایا۔سیکورٹی اسٹیبلشمنٹ کے سیاسی فضا کو قابو میں رکھنے کے نام پر دائیں بازو کی انتہا پسند اسلامی گروہوں پر انحصار کی سزا پاکستانی شہریوں کو مسلسل بھگتنا پڑ رہی ہے۔

عدلیہ، باوجود سپریم کورٹ کی مثبت کوششوں کے، مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزی کا ہدف بننے والے افراد کو انصاف کی فراہمی میں ناکام رہی ہے۔ ریاستی اداروں نے امن وامان برقرار رکھنے، اور تشدد پر اکسانے کے عمل کی روک تھام کے لبادے میں مذہب سے متعلق جرائم کے الزام میں لوگوں کی گرفتاری کو روزمرہ کا معمول بنا لیا ہے۔ریاست کا یہ پرانا اور غلط نقطہ نظر کہ مذہب کے نام پر ہونے والے جرائم کی غیر موجودگی ماورائے عدالت تشدد میں اضافے کا باعث بنے گی، مذہبی اقلیتوں کی شہری آزادیوں کو محدود کرنے کے لیے بہانے کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ایسے قوانین کے بھرپور نفاذ کے باوجود آج بھی تشدد بڑے پیمانے پر جاری ہے۔

ریاستی نمائندوں کے عالمی پلیٹ فارموں پر دیے گئے بیانات اور نجی محفلوں میں اپنائے گئے امتیازی بیانیوں میں بھی نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ عالمی ادواری جائزے (یو پی آر) کے دوران پاکستان کی ریاست کی جانب سے تسلیم شدہ ذمہ داریوں اور سفارشات کا پابند ہونے کے باوجود ہمارے ہاں مذہبی اور عقیدے کی آزادیوں کے بین الاقوامی معیارات کی سنگین خلاف ورزیاں ایک معمول بن چکی ہیں۔

23-2022 کے دوران ہونے والے واقعات سے یہ بھی واضح ہوا ہے کہ انتہائی دائیں بازو کی تحریک لبیک پاکستان (ٹی ایل پی) کا ابھرنا اور بطور سیاسی جماعت تشکیل پانا، مذہب اور عقیدے کی آزادی پر پابندیوں میں اضافے سے جڑا ہوا ہے۔کئی برسوں سے ٹی ایل پی کی طرف سے ہونے والی نفرت اور تشدد کی تبلیغ اور مخصوص مذہبی تشریحات کو ہتھیار بنانے نے مذہب، عقیدے اور اظہار کی آزادیوں کو بے پناہ نقصان پہنچایا ہے۔ جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام (ف) سمیت مختلف مذہبی جماعتوں نے اپنے اراکین پارلیمنٹ اور سیاسی اثر رسوخ کو، مذہبی آزادیوں کو پیچھے دھکیلنے کے لیے استعمال کیا ہے۔سیاست دانوں کی جانب سے توہینِ مذہب کے قوانین کے دائرہ کار میں وسعت کی آئینی کوششیں سب کی شمولیت پر مبنی پاکستان کے امکان کے لیے ایک بڑا دھچکا ثابت ہوئی ہیں۔

ایک تشویش ناک رجحان وکلا برادری کے کچھ گروہوں کا انتہائی دائیں بازو کے بیانیے کو بڑھاوا دینا ہے اور وہ مذہبی اقلیتوں پر ظلم وستم کی قوتوں کے نمائندے بن گئے ہیں۔مثال کے طور پر چند بار کونسلوں نے یہ لازمی قرار دے دیا ہے کہ اگر کوئی احمدی وکالت کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے احمدی غیر مسلم ہونے کا اعلان کرے۔ وکلا برادری جو قانون اور انصاف تک رسائی کا ایک ذریعہ تصور کی جاتی ہے اس کی طرف سے ایسے اقدام پاکستان میں مذہب یا عقیدے کی آزادی کے لیے کوئی اچھا شگون نہیں ہیں۔

مذہبی اقلیتیں اور اقلیتی فرقے زندگی اور موت دونوں میں ہی مصائب کا شکار ہیں۔وہ مذہب کے نام پر کیے جانے والے تشدد کے ساتھ ساتھ مذہبی عبادت گاہوں تک رسائی کی راہ میں رکاوٹوں، گھروں، کام کی جگہ، عام مقامات غرض ہر جگہ پر حملوں کے خوف، من مانے قانونی اقدامات کے ذریعے پروفائلنگ، قبروں کی بے حرمتی اور متعصبانہ تقاریر کا سامنا کرنے جیسے مسائل کا شکار ہیں۔ ملک میں انسانی حقوق کی زبوں حالی کا اندازہ لگانے کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ جبری تبدیلی مذہب کے واقعات اس سال بھی مسلسل جاری رہے۔ اس گھناؤنے جرم کے خلاف قانون سازی نہ ہوسکنا اور کم عمری کی شادیوں کے قانون کی غیر موجودگی کے باعث معاشرے کے سب سے کمزور طبقے یعنی اقلیتی خواتین اور لڑکیاں آئے دن اس ظلم کا شکار ہوتی ہیں۔اقلیتی خواتین صنفی بنیادوں پر ہونے والے تشدد کا شکار بھی ہوتی ہیں لیکن یہ واقعات منظر عام پر نہیں آتے۔

2014 میں جسٹس تصدق حسین جیلانی کے سپریم کورٹ میں مذہبی اقلیتوں کے متعلق دیے گئے اہم فیصلے پر عمل درآمد نہ ہونے، سپریم کورٹ کی جانب سے ترقی پسندانہ فیصلوں کو نظرانداز کرنے اور آئین میں دیے گئے حقوق کی پرواہ نہ کرنے کے عمل نے مل کر، مذہب اور عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیوں کو بڑھاوا دیا ہے۔ علاوہ ازیں شہری آزادیوں پر قدغن اور انسانی حقوق کے دفاع کاروں کو نشانہ بنانا ایسے عوامل ہیں جنھوں نے ایسے معاشرے کی تشکیل کی تحریک جہاں کمزور طبقے عزت اور حفاظت سے رہ سکیں، کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔

یہ رپورٹ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے ایک سالانہ سیریز کی چوتھی کڑی ہے جس کا آغاز 2019 میں کیا گیا تھا۔ یہ رپورٹ مذہب یا عقیدے کی آزادی کی صورت حال کا سالانہ جائزہ پیش کرتی ہے۔ تشدد کے رجسٹر ہونے والے واقعات، امتیازی قوانین کے باعث واقعات میں بڑے پیمانے پر اضافے، قیدیوں کے متعلق اعداد وشمار، انسانی حقوق کے دفاع کاروں، وکلا اور مظلوم گروپوں کے انٹرویو اور پنجاب اور سندھ میں ایچ آر سی پی کے فیکٹ فائنڈنگ مشن سے ملنے والی معلومات کی بنیاد پر مرتب کی گئی۔ یہ رپورٹ بتاتی ہے کہ اقلیتی عقیدہ رکھنے والے شہری اور وہ لوگ جو ریاست کے مذہب کی اکثریتی تشریح کو نہیں مانتے ان کی آزادیاں اس سال بھی مسلسل حملوں کی زد میں رہیں۔

سفارشات

ایچ آر سی پی وفاقی حکومت، ریاستی اداروں اور عدلیہ کی خدمت میں درج ذیل سفارشات پیش کرتی ہے:

- آئی سی سی پی آر کے آرٹیکل 19، 20 اور 27 اور

انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ کے آرٹیکل 18 اور 19 کے مطابق مذہب یا عقیدے اور اظہار کی آزادیوں کے بارے میں پاکستان کے بین الاقوامی انسانی حقوق کے وعدوں پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔

- مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے متعلق سپریم کورٹ کے 2014 کے فیصلے کے فوری نفاذ اور اس پر عمل درآمد کو یقینی بنانے میں مزید تاخیر نہ کی جائے۔
- تمام مذہبی بنیادوں پر ہونے والے جرائم کے ملزمان کی منصفانہ ٹرائل تک رسائی یقینی بنائی جائے۔ پولیس، استغاثہ اور عدلیہ کے اراکین اپنے فرائض آزادانہ اور غیر جانبدارای سے ادا کریں اور انہیں مذہبی عقیدے یا تیسرے فریق کی جانب سے دباؤ سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔
- توہینِ مذہب کے جھوٹے الزامات کے خلاف موجودہ قانونی تحفظ کے اقدامات کو نافذ العمل بنانا چاہیے۔ جھوٹے الزامات کی سزا اور ان کی روک تھام کے لیے پی پی سی کی دفعہ 211 کا استعمال کرنا چاہیے جس میں سزا سات سال قید اور جرمانہ شامل ہیں۔
- توہینِ مذہب کے قوانین کے غلط نفاذ اور غلط استعمال کی روک تھام کے لیے 2016 میں قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے پیش کی گئی تجاویز کا عملی نفاذ کیا جائے۔
- مذہبی بنیادوں پر کیے گئے متشدد حملوں کے ذمہ دار افراد اور ان کی منصوبہ بندی کرنے والوں کے خلاف قانون اور بین الاقوامی معیارات کے مطابق مقدمہ چلایا جائے۔
- اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ مذہبی اقلیتوں کے خیالات اور طرز عمل فطری طور پر مشکوک نہ سمجھے جائیں اور انہیں پہلے سے طے شدہ اشتعال کی بنیاد نہ بنایا جائے۔
- یہ یقینی بنایا جائے کہ اقلیتوں کے خلاف سیاسی بیانیے کو ہوا دینے والوں اور نفرت پر مبنی مہم میں حصہ لینے والے سیاسی جماعتوں کے امیدواروں اور رہنماؤں سے الیکشن کمیشن آف پاکستان جواب طلب کرے۔
- قانون نافذ کرنے والوں، استغاثہ اور عدلیہ کو یہ بات یقینی بنانی چاہیے کہ وہ مذہب سے متعلق جرائم کی تفتیش اور فیصلوں کے فرائض آزادانہ اور غیر جانبداری سے سرانجام دیں۔
- صوبائی اور وفاقی سطح پر عدالتی اکیڈمی میں ججوں کی تربیت کا ایسا طریقہ کار تشکیل دیا جائے جو ان میں انسانی حقوق کے بارے میں آگاہی اور شعور پیدا کرے۔ انتہائی دائیں بازو کے نظریات رکھنے والے ججوں کو کسی بینچ میں شامل نہ کیا جائے۔
- قانونی برادری، بیوروکریسی اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے ایسا نصاب اور تربیتی طریقہ کار تشکیل دیا جائے جو انسانی حقوق کے بین الاقوامی معیارات کا علمبردار ہو اور ان کے نفاذ پر زور دیتا ہو۔
- ہائی کورٹس کی انتظامیہ کو نچلی سطح کی عدالتوں میں ہونے والے فیصلوں کی نگرانی کرنی چاہیے اور اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ کیا قانون پر پوری طرح عمل درآمد کیا جا رہا ہے؟ اور کیا یہ فیصلے آئینِ پاکستان اور پاکستان کے بین الاقوامی فورمز پر کیے گئے وعدوں کے تحت دیے گئے انسانی حقوق سے مطابقت رکھتے ہیں؟
- وکلاء کی بار کونسلوں اور ایسوسی ایشنوں کو ریگولیٹ کرنے کے لیے ایک طریقہ کار طے کیا جائے اور اسے نافذ کیا جائے، اور ان وکلا کے طرز عمل کا جائزہ لیں اور اس کا ریکارڈ رکھیں جو نفرت کو ہوا دینے کی مہمات کی بڑھ چڑھ کر حمایت کرتے ہیں۔
- یہ یقینی بنایا جائے کہ ایف آئی اے سائبر کرائم یونٹ اور توہینِ مذہب کے رپورٹنگ سیل کسی مصلحت کا شکار نہ ہوں اور ذمہ داریاں نبھانے میں اپنی دینی وابستگیوں سے متاثر نہ ہوں۔
- پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی اور ایف آئی اے کے سائبر کرائم ونگ کو ایف آئی آر کی شکایات کے ذریعے لگائے گئے توہینِ مذہب کے الزامات کی جانچ پڑتال اور تفتیش کے عمل کے طریقہ کار کو عوام کے سامنے رکھنا چاہیے۔ انھیں اس موضوع پر مستند ماہرین کی خدمات حاصل کرنی چاہیئں اور آن لائن توہینِ مذہب کے الزامات کے ثبوت کے لیے اعلیٰ معیار قائم کرنا چاہیے۔
- تمام مذہبی اقلیتوں، انسانی حقوق کے مقامی و بین الاقوامی ماہرین اور سول سوسائٹی تنظیموں کے ساتھ ایک ایسی پالیسی بنانے کے لیے رابطہ قائم کیا جائے جو مذہبی اقلیتوں اور اکثریتوں کو نفرت پر اکسانے اور مذہبی بنیادوں پر کیے جانے والے تشدد سے تحفظ فراہم کر سکے۔

جہدحق پڑھنے والے توجہ کریں

☜ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔ جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

☜ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،
نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدحق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

جہدحق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

نہ زندہ نہ مردہ

جبری گمشدگیوں کے خلاف بلوچ خواتین کی جدوجہد

ماہرنگ بلوچ

لاپتہ افراد کی کارکن سمی دین بلوچ کی والدہ بی بی نزہتون نے 28 جون کو اپنے شوہر کے لاپتہ ہونے کی 15 ویں برسی منائی۔ ڈاکٹر دین بلوچ کو 2009 میں اغوا کیا گیا تھا—وہ دن ان کی اہلیہ کو اب بھی یاد ہے جیسے وہ کل کی بات ہو۔

اس دن نہ صرف ان کا جیون ساتھی بلکہ ان کی شناخت بھی ان سے چھین لی گئی۔ پچھلی ڈیڑھ دہائی سے، بی بی نزہتون ایک ایسی زندگی گزار رہی ہیں جہاں وہ نہیں جانتی کہ وہ بیوہ ہیں یا نہیں—ایک ایسی صورتحال جس کا دیگر سینکڑوں بلوچ خواتین کو بھی سامنا ہے۔ ان تمام سالوں میں انہوں نے ایک بار بھی رنگ برنگے کپڑے نہیں پہنے، شادیوں یا عید جیسے تہواروں میں شرکت نہیں کی۔

آج پاکستان بھر میں بے شمار خواتین غیر یقینی کی کیفیت میں زندگی گزار رہی ہیں- وہ یہ نہیں جانتیں کہ ان کے والد، بھائی یا شوہر زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ رواں ماہ جاری ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق، صرف 2024 کی پہلی ششماہی میں لاپتہ افراد کے کُل 197 کیسز رپورٹ ہوئے، جن میں سے زیادہ تر بلوچستان میں ریکارڈ کیے گئے۔ پاکستان کئی دہائیوں سے جبری گمشدگیوں کی دائمی پریشانی سے دوچار ہے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ اس مسئلے کو راتوں رات "جلد بازی میں یا کسی کی پریشانی یا سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر بولنے والوں یا عدالتی ہدایات کی وجہ سے" حل نہیں کیا جا سکتا۔

اگرچہ پچھلے کچھ سالوں میں اس مسئلے پر بات چیت میں تیزی آئی ہے، لیکن بلوچستان کی خواتین کو جو قیمت چکانا پڑی ہے اس پر بہت کم بحث ہوتی ہے۔

غیر یقینی مستقبل

جب بھی اور جہاں بھی تنازعہ ہوتا ہے، خواتین اور بچوں کو سب سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے، خاص طور پر ہمارے جیسے قدامت پسند اور مردوں کے زیر تسلط معاشروں میں۔ یہ پیچیدہ چیلنجز ایک ایسا ماحول پیدا کرتے ہیں جس میں خواتین سماجی اور معاشی طور پر غیر محفوظ محسوس کرتی ہیں۔

خواتین نفسیاتی اور جذباتی طور پر بھی سب سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں کیونکہ انہیں مسلسل ایک بے یقینی کی کیفیت میں رہنا پڑتا ہے۔ اپنے شوہروں، والدوں، بھائیوں اور دیگر عزیزوں کو کھونے کا خیال انہیں سب سے زیادہ ستاتا ہے۔

2023 میں جاری ہونے والی ایک رپورٹ میں، اقوام متحدہ نے انکشاف کیا کہ 2022 میں 600 ملین سے زیادہ خواتین اور لڑکیاں تنازعات سے متاثرہ ممالک میں مقیم ہیں۔ یہ تعداد 2017 کے مقابلے میں 50 فیصد زیادہ ہے۔ 2020 اور 2022 کے درمیان تنازعات کے شکار ممالک میں خواتین کی تعداد میں 50 فیصد اضافہ ہوا۔ بلوچستان میں بھی ایسا ہی ہوا ہے- ایک ایسا صوبہ جو پچھلی دو دہائیوں سے تشدد سے دوچار ہے- جہاں تنازعات کئی خواتین کی جانیں لے چکے ہیں۔

جون 2020 میں، بلوچستان کے ضلع کیچ میں ملک ناز کے قتل کے بعد ایک پرامن عوامی تحریک شروع ہوئی۔ اگرچہ یہ واقعہ سوشل میڈیا پر توجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہا، تاہم دور دراز کے علاقوں میں بہت سے دوسرے کیسز ہیں جو منظر عام پر نہیں آ سکے۔

یہی وجہ ہے کہ مجھ سمیت سینکڑوں بلوچ خواتین نے گزشتہ سال شدید سردی میں بلوچستان سے اسلام آباد تک مارچ کیا۔ لیکن آخر کار دارالحکومت پہنچنے پر ہمیں حکام کی جانب سے ایک ناخوشگوار 'استقبال' ملا۔

حکومتی اہلکاروں نے ہمارے احتجاج کو ظالمانہ طریقے سے مسترد کر دیا، ہمیں غیر ملکی ایجنٹ اور دہشت گردوں کے ہمدرد قرار دیا۔ تاہم اس سے یہ حقیقت نہیں بدل جاتی کہ بلوچستان میں کسی قانونی طریقہ کار کی عدم موجودگی میں لوگ غائب ہو رہے ہیں۔

نہ ہی اس سے ان بلوچ خواتین کے درد میں کوئی کمی آتی ہے جن کی زندگیاں مشکلات میں گھری ہوئی ہیں۔

”نہ مردہ نہ زندہ“

گزشتہ 15 سال بی بی نزہتون کے لیے اذیت ناک رہے ہیں یا کم از کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ آزمائشوں سے بھرپور رہے ہیں۔ پھر بھی، وہ امید کرتی ہیں کہ ان کا شوہر زندہ ہے۔ وہ ہر دن اس کی محبت بھری یاد میں گزارتی ہے اور ہمیشہ اسے "دین جان" کے نام سے پکارتا ہے۔

اس کے ساتھ ہونے والے کئی مکالموں میں ایک ایسی دردناک گفتگو بھی ہے جسے میں کبھی نہیں بھولوں گی۔ یہ وہ دن تھا جب ہم نے اسلام آباد میں تشدد، سخت موسم اور حکومتی بے حسی کی وجہ سے اپنا دھرنا ختم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

جب ہم مظاہرے کو ختم کرنے کے مشکل فیصلے کے بارے میں اہل خانہ کو مطلع کرنے کے لیے بھاگ رہے تھے تو نزہتون میرے پاس آئیں اور کہا: "اس بار میں خالی ہاتھ نہیں لوٹوں گی۔ مجھے اپنی دین جان، اپنے بچوں کے والد اور ساتھی کی ضرورت ہے۔ میں بہت بیمار ہوں، لیکن میں جواب کے بغیر جانے کے بجائے یہاں مرنا پسند کروں گی۔"

جیسے ہی ہم وہاں کھڑے تھے، نزہتون کے الفاظ میرے دل میں اتر گئے اور مجھے گنگ کر گئے۔

نزہتون کی کہانی سینکڑوں میں سے ایک ہے۔ ہم ایک ایسے معاشرے میں رہتے ہیں جہاں خوشی خاندان سے تعلق رکھنے کے احساس سے حاصل ہوتی ہے۔ سربراہ کے غائب ہونے کے بعد ایک خاندان جس تکلیف سے گزرتا ہے وہ ناقابل تصور ہے۔ یہ آپ کی تمام خوشیوں، خوشیوں اور مالی امداد کو چھین لیتا ہے۔ بدقسمتی سے خواتین کو اس نقصان کا سب سے زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پچھلی بار کی طرح اس سال بھی عید پر تربت اور کوئٹہ میں لاپتہ افراد کے لواحقین نے بیک وقت احتجاج ریکارڈ کرایا۔ مظاہرے کے دوران میری ملاقات کوہلو کے رہائشی گل محمد مری کی اہلیہ سے ہوئی جو گزشتہ 12 سال سے لاپتہ ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ان کے شوہر کی رہائی کے حوالے سے کوئی اچھی خبر ہے، لیکن میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

اس کے بعد مسز مری نے مجھے اپنی بڑی بیٹی کے بارے میں بتایا، جو اپنے والد کی غیر موجودگی میں شادی کے لیے زندگی کو بدلنے والا انتخاب کرنے کے لیے جدوجہد کر رہی تھی۔ فریدہ تمام بات چیت کے دوران ہمارے ساتھ کھڑی رہی، اس کی آنکھیں آنسوؤں سے نم تھیں۔ "مرنے والوں کی ایک قبر ہے۔ لیکن لاپتہ افراد کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہیں یا مردہ۔ اور ہم نہ تو ان کی عدم موجودگی پر ماتم کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی خوشی منا سکتے ہیں۔“ اس نے کہا اور مجھے گلے لگا لیا۔

فریدہ اور اس کی والدہ گزشتہ تین سالوں سے اس کی شادی کو ملتوی کر رہی ہیں، اس امید پر کہ اس کے والد ایک دن صحیح سلامت گھر واپس آ جائیں گے۔ اس دن جب ریلی اپنے اختتام کو پہنچی تو فریدہ نے ایک بار پھر مجھے گلے لگایا اور کہا: ”میں اپنے والد کے بغیر شادی نہیں کرنا چاہتی، میں ایسا نہیں کر سکتی۔“

کھوئی ہوئی شناخت

اکثر کہا جاتا ہے کہ بلوچ خواتین جبری گمشدگیوں کے خلاف تحریک میں سب سے آگے ہیں۔ میں اس سے متفق نہیں ہوں کیونکہ یہ محض خواتین نہیں ہیں- یہ بدقسمت بیویاں، مائیں، بہنیں اور بچے بھی ہیں۔ کچھ لوگ اتنے خوش قسمت ہیں کہ ان کے پاس اپنے والدوں کے گھر لوٹنے کی یادیں ہیں۔ لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی ماؤں کے پیٹ میں ہی تھے جب ان کے باپ اٹھا لیے گئے تھے۔

پھر مجھ جیسے لوگ ہیں، جن کے خاندان کے افراد جبری گمشدگیوں اور تشدد کا نشانہ بنے یہاں تک کہ ایک دن ان کی لاشیں ہماری دہلیز پر چھوڑ دی گئیں۔ کم از کم، ان کے پاس آخری آرام گاہ ہے۔ اب ہمیں لاپتہ افراد کے اہل خانہ کے لیے آواز اٹھانے میں سکون ملتا ہے۔ میرے پاس اس جدوجہد کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اگر میں ایک لاپتہ شخص کو بھی واپس لانے میں کامیاب ہو جاتی ہوں تو اس سے مجھے سکون اور خوشی ملے گی۔

اس لیے، میں پھر سے دہراتی ہوں: بلوچستان میں جبری گمشدگیوں کے خلاف تحریک کی قیادت نصف بیوائیں، بدقسمت بہنیں اور صدمے کا شکار مائیں کر رہی ہیں۔ ظلم اس حد تک جا پہنچا ہے کہ بلوچ خواتین اپنی شناخت کھو چکی ہیں، اب انہیں ان کے ناموں سے نہیں بلکہ ان کے خاندان کے لاپتا افراد سے تعلق سے پکارا جا رہا ہے۔

سمی لاپتہ ڈاکٹر دین جان کی بیٹی، زرینہ لاپتہ طالب علم رہنما شبیر بلوچ کی نصف بیوہ اور زرجان لاپتہ ذاکر مجید بلوچ کی والدہ ہیں۔

جنت نظیر پاراچنار فرقہ وارانہ فسادات کا گڑھ کیسے بنا؟

جاوید حسین

ضلع کرم میں بار بار فرقہ وارانہ پُرتشدد واقعات رونما کیوں ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے وجوہات کیا ہیں؟

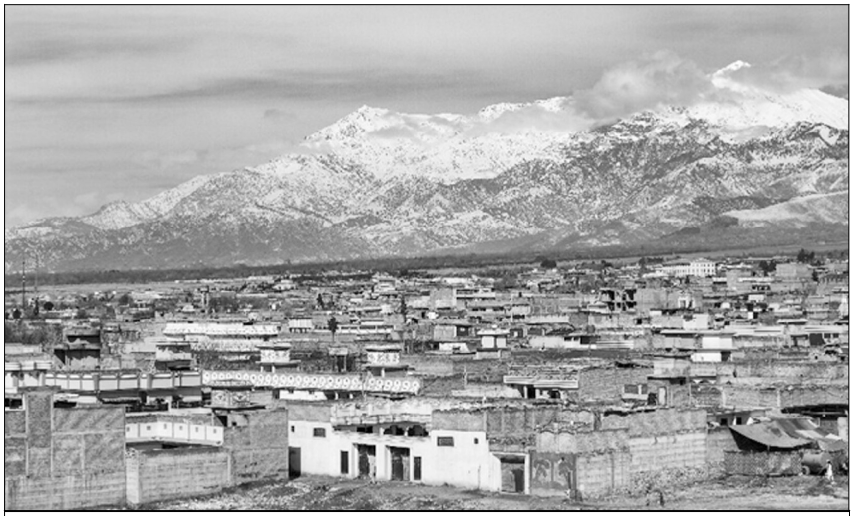

ضلع کرم کا مرکز۔ پاراچنار

خیبر پختونخوا کے ضلع کرم میں جائیداد کے تنازع نے ایک بار پھر 50 سے زائد افراد کی جانیں لے لیں جبکہ 200 سے زائد افراد ان میں زخمی ہوئے۔ دو قبائل کے درمیان 6 روز سے جاری شدید جھڑپوں کے بعد پیر کے روز جرگے کی کاوشوں سے علاقائی امن کی بحالی کے لیے جنگ بندی کی گئی۔

پولیس اور ضلعی انتظامیہ کے مطابق بوشہرہ اور مالی خیل قبائل کے درمیان گزشتہ ہفتے مسلح تصادم ہوا۔ دونوں اطراف نے ایک دوسرے کے ٹھکانوں کو نشانہ بنانے کے لیے بھاری ہتھیاروں اور راکٹس کا استعمال کیا جس کے نتیجے میں ملحقہ علاقوں میں بھی دونوں قبائل کی جھڑپوں کے اثرات مرتب ہوئے اور جلد ہی یہ معاملہ فرقہ وارانہ رنگ اختیار کر گیا۔

کرم ضلع میں اس طرح کے پُرتشدد فسادات اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ گزشتہ سال بھی اسی طرح کے تصادم میں کم از کم 25 افراد جان سے گئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہاں بار بار پُرتشدد واقعات رونما کیوں ہوتے ہیں اور اس کی وجوہات کیا ہیں؟

ضلع کرم جہاں تقریباً 8 لاکھ افراد مقیم ہیں، اس کی سرحدیں جنوب (خوست)، مغرب (پکتیکا) اور شمال (ننگرہار) میں افغانستان سے ملتی ہیں۔ مشرق میں اس کی سرحد اورکزئی ضلع سے ملتی ہے جو کہ فاٹا کا حصہ بھی رہ چکا ہے۔

پاراچنار کو ایک دور میں 'جنت نظیر وادی' کہا جاتا تھا۔ تاہم کڑے وقت نے اس کے انفرااسٹرکچر کو انتہائی نقصان پہنچایا ہے۔

قبائلی اختلافات

ضلع کرم میں تین ڈویژنز ہیں، بالائی، وسطی اور زیریں۔ پاراچنار بالائی ڈویژن میں واقع ہے اور یہاں شیعہ مکاتب فکر کے ماننے والوں کی اکثریت آباد ہے۔ پاراچنار کی زیادہ تر آبادی طوری اور بنگش قبائل پر مشتمل ہے۔ وادی کے گرد پہاڑی چوٹیوں پر سنی قبائل آباد ہیں۔

انتہا پسند تنظیموں کی مداخلت سے دو قبائل کے درمیان جھگڑے کے بڑے مسئلے کی صورت اختیار کر لینے کے امکانات موجود ہوتے ہیں۔ گزرتے سالوں میں آنے والی سماجی اور آبادیاتی تبدیلیاں جیسے ایرانی انقلاب، سنی افغان پناہ گزینوں کی آمد اور افغان جہاد کے دوران ہتھیاروں کی اس علاقے میں ترسیل وہ عوامل ہیں جو فرقہ وارانہ پُرتشدد واقعات میں شدت لانے کا سبب بنے۔

ضلع میں ہر کچھ سال بعد اس طرح کے واقعات رپورٹ ہوتے رہتے ہیں جبکہ پاراچنار ان کا مرکز ہوتا ہے۔ ان میں 2007ء کا سال نمایاں ہے کہ جب علاقے میں خوفناک جھڑپیں ہوئیں جن میں 3 ہزار سے زائد افراد ہلاک ہوئے اور تقریباً 50 دیہات نذرِ آتش کیے گئے۔ ان فسادات کے بعد سیکڑوں رہائشی بے گھر ہو گئے تھے۔

اُس وقت پاراچنار کی جانب جانے والی سڑک بھی کئی روز تک منقطع رہی اور رہائشیوں کو اس علاقے میں داخلے کے لیے کابل سے پاکستان میں دوبارہ داخل ہونا پڑتا تھا۔ جب بھی حالات خراب ہوں، یہ مسئلہ پیش آتا ہے۔

پوسٹ گریجویٹ کالج پاراچنار کے سربراہ، پروفیسر جمیل کاظمی اس دور کو یاد کرتے ہیں کہ جب کرم میں شیعہ اور سنی بھائی بھائی بن کر رہتے تھے۔ وہ افسوس کے ساتھ کہتے ہیں، 'جہاں چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں دونوں فرقوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا وہیں سازشی عناصر ان دونوں کے درمیان دراڑیں پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے'۔

ڈان سے بات کرتے ہوئے کرم کی امن کمیٹی کے رکن ملک محمود علی جان نے وضاحت کی کہ ضلع میں اراضی پر تنازعات اکثر ہوتے رہتے تھے اور اسی وجہ سے حکومت نے گزشتہ سال یہاں لینڈ کمیشن قائم کیا تھا۔

وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ، 'بدقسمتی سے لینڈ کمیشن حکام اپنا کام کرنے میں ناکام رہے اور کرم سے چلے گئے۔ بالآخر پانی کی تقسیم، لکڑی کی کٹائی اور سڑکوں تک رسائی سے انکار پر کئی سالوں سے جاری قبائلی اختلافات، فرقہ وارانہ تنازعات میں تبدیل ہو گئے'۔

ملک محمود علی جان نے کہا کہ حکام امن و امان کی صورت حال کو قابو میں رکھنے میں ناکام رہے۔

'بری نظر'

تازہ ترین جھڑپیں جو 24 جولائی کو زمین کے تنازع پر شروع ہوئیں، چند گھنٹوں میں ہی فرقہ وارانہ رنگ اختیار کر گئیں۔ واٹس ایپ اور فیس بک جیسے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر اشتعال انگیز پیغامات پھیلائے گئے جن میں 'جہاد' کی دعوت دی گئی۔ لاؤڈ اسپیکرز سے بھی کچھ اسی طرح کے اعلانات کیے گئے۔

جلد ہی 'غیر مقامی لوگ' بھی ان جھڑپوں میں شامل ہوتے گئے اور ہمسایہ دیہات بھی ان فسادات کا حصہ بن گئے جن میں پیواڑ، تنگی، بالش خیل، کھڑ کلے مقبل، کنج علی زئی، پارا چمکنی، اور کرمان شامل ہیں۔

لڑائی شدت اختیار کر لینے کے بعد پاراچنار کی مرکزی شاہراہ کو ٹریفک کی آمد و رفت کے لیے معطل کر دیا گیا جس سے سیکڑوں افراد کو مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ کرم کے تاجروں نے کہا کہ ضلع میں سڑکیں بند ہونے کی وجہ سے انہیں بھاری تقصان اٹھانا پڑا جبکہ ضلع میں ادویات اور کھانے پینے کی اشیا کی قلت پیدا ہو گئی تھی۔

اس کے علاوہ تعلیمی ادارے بھی بند تھے جبکہ انٹرنیٹ اور موبائل سروسز بھی معطل رہیں۔

عوامی نیشنل پارٹی کے رہنما پیر حیدر علی شاہ جو کرم میں جنگ بندی کروانے والے جرگے کے بھی رکن ہیں، کہتے ہیں کہ 'ضلع کرم کے رہائشی پہلے بھائی بھائی بن کر رہتے تھے لیکن ہمیں نہیں پتا کہ اس وادی کو کس کی بری نظر لگی ہے جو کہ پہلے جنت نظیر ہوا کرتی تھی'۔

انہوں نے افسوس کے ساتھ کہا کہ 'ہم جانتے ہیں کہ شر پسند کیسے کامیاب ہوئے۔۔۔ پہلے بھی جب کبھی کرم آئے ہیں، ہم جنگ بندی کروانے ہی آئے ہیں۔۔۔ اس وادی کے دلکش نظاروں کے بجائے ہم نے صرف لاشیں اور زخمی افراد ہی دیکھے ہیں'۔ سیاسی کارکنان اور سیاست دانوں نے اس کا ذمہ دار حکام کی نااہلی اور پروپیگنڈے کو قرار دیا ہے۔

سابق وفاقی وزیر اور پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما ساجد طوری نے بتایا کہ وہ فاٹا (سابق) کے لیے آواز اٹھاتے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، 'لیکن یہاں راتوں رات نظام تبدیل ہو گیا اور ان قبائلی اضلاع کو خیبر پختونخوا صوبے میں ضم کر دیا گیا'۔

ساجد طوری نے شکایت کی کہ، 'ہم نے یہ مسئلہ پہلے بھی اٹھایا ہے لیکن ہم سے کیے گئے وعدوں کو پورا نہیں کیا گیا جن میں سالانہ ترقیاتی فنڈ کی فراہمی شامل ہے'۔ انہوں نے مزید کہا کہ کرم اور دیگر علاقوں میں صورت حال مسلسل بگڑ رہی ہے۔ بنگش اور طوری قبائل کے سربراہ جلال بنگش نے اتفاق کیا۔ انہوں نے کہا کہ مجرمانہ سرگرمیوں کو روکنے کے لیے حکومت کی جانب سے فوری کارروائی کی ضرورت ہے۔

دوسری جانب میر افضل خان طوری نے کہا کہ سوشل میڈیا نے جعلی خبروں اور عوام میں نفرت کو بھڑکانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ کرم کے ایک اور سماجی کارکن عبدالخالق پٹھان نے بتایا کہ وہ ضلع کے ہر گھر تک خواہ وہ سنی ہو یا شیعہ، امن کے پیغام کو پہنچانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔

کرم کے علما حضرات نے بھی جھڑپوں کی مذمت کی ہے۔ علما نے اس بات پر زور دیا کہ دین اسلام قتل یا تشدد کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور مذہبی رہنماؤں کے حوالے سے کہتا ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان خلیج ختم کرنے اور اختلافات کو دور کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

ضلع کرم کے ڈپٹی کمشنر جاوید اللہ محسود نے ڈان کو بتایا کہ ضلع میں تازہ ترین جھڑپیں ایک جرگے کی مدد سے متحارب قبائل کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ طے پانے کے بعد رک چکی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ضلع میں زندگی معمول پر لانے کے لیے کوششیں کی جا رہی ہیں اور گزشتہ رات اشیائے ضرورت سے لدے ٹرک بھی کرم میں داخل ہوئے ہیں۔

'گھیرے سائے'

شدید کشیدگی میں سب سے زیادہ کرم کے رہائشی متاثر ہوئے ہیں بالخصوص خواتین جن کے بھائی، والد اور خاوندان

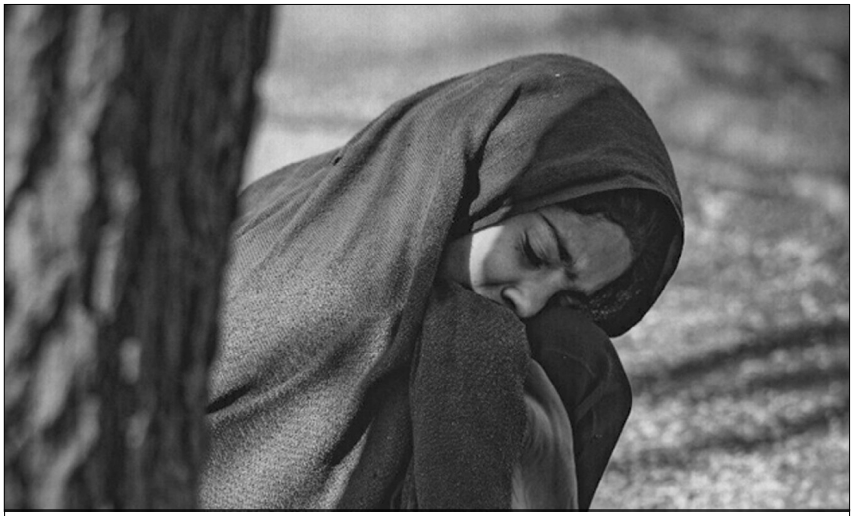

پاراچنار میں ایک لڑکی درخت کے سائے تلے بیٹھی ہے

بچہ جھولا جھول رہا ہے جبکہ اس کے قریب کلاشنکوف موجود ہے

فسادات کی نذر ہو چکے۔ پاراچنار کی رہائشی 28 سالہ مریم بتاتی ہیں، 'شہید ہونے والوں میں میرے بھائی بھی شامل ہیں'۔ 2017ء میں علاقے میں ہونے والے دو دھماکوں میں میرے بھائی بھی شہید ہوئے تھے۔ ساجد اپنے خاندان کے واحد کفیل تھے۔ ان کے سوگوران میں 6 بہنیں اور ایک بوڑھی والدہ ہیں۔ مریم نے ڈان کو بتایا، 'ساجد کی وفات کے بعد میری والدہ نے کفالت کی ذمہ داری اٹھائی اور اب وہ ایک ہسپتال میں دائی کے طور پر کام کر رہی ہیں'۔

مزید کہتی ہیں کہ ان کے بھائی کی وفات کے بعد سے ان کی تمام بہنیں اچھی تعلیم اور زندگی کے بہتر مواقع سے محروم ہو چکی ہیں۔ ان اختلافات کی وجہ سے کرم میں سب سے زیادہ نقصان تعلیم اور صحت کے شعبہ جات کو پہنچا ہے۔ ضلع میں کالجز اور جامعات کی طرف حکومت کی عدم توجہی نے نوجوانوں کے لیے اعلیٰ تعلیم کے مواقع کو نمایاں طور پر کم کیا ہے۔

یہ علیحدہ معاملہ ہے کہ ضلع میں جدید آلات، قابل عملے اور دیگر ضروریات کا فقدان ہے جن کی وجہ سے ہنگامی حالات میں بہتر علاج کی سہولیات فراہم نہیں ہوتیں۔ مذکورہ وجوہات، بار بار ہونے والی قبائلی جھڑپوں اور حکومتی بے حسی نے مل کر کرم کو گھیرے سائے میں دھکیل دیا ہے۔ نتیجتاً معصوم بچے یتیم، خواتین بیوہ اور ہزاروں افراد زندگی بھر کی معذوری کا شکار ہو چکے ہیں۔

جیسا کہ ڈان اخبار کے اداریہ میں لکھا گیا، 'افغانستان کی سرحد سے متصل ایک سابق قبائلی ایجنسی کرم میں مسئلہ یہ ہے کہ وہاں ریاست صرف تشدد پر ردعمل ظاہر کرتی ہے۔ یہ کچھ وقت کے لیے بنیادی تناؤ پر پردہ ضرور ڈال دیتا ہے لیکن پھر معمولی اشتعال پر فسادات پھوٹ پڑتے ہیں۔

'اس علاقے میں پائیدار امن کے لیے ضروری ہے کہ طویل مدتی حل تلاش کیا جائے اور اس عمل میں ریاست، قبائلی عمائدین کے ساتھ ساتھ علما حضرات کو بھی شامل ہونا چاہیے کیونکہ یہ تمام کردار تشدد کی بنیادی وجوہات کو حل کرنے کا اختیار رکھتے ہیں'۔

(بشکریہ روزنامہ ڈان)

گوادر، پارہ چنار اور بنوں میڈیا سے غائب: ایسے واقعات کو کوریج نہ دینا فیک نیوز کی وجہ بنتا ہے؟

ریاض سہیل

'ہم سے ماہ رنگ بلوچ کی پریس کانفرنس روکنے کے لیے کہا گیا، ہم نے انکار کیا۔ پھر حکام دو بڑے اردو اخبارات کے دفاتر میں گئے اور پیسٹنگ ٹیبل سے ماہ رنگ کی خبر ہٹائی گئی۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے جنرل ضیاالحق کے دور میں ہوتا تھا جب سینسر شپ تھی اور سینسر افسر اخبارات میں سے خبریں نکالتے تھے۔'

یہ بیان کوئٹہ سے شائع ہونے والے روزنامہ انتخاب کے ایڈیٹر انور ساجدی کا ہے جن کے مطابق حال ہی میں مستونگ سے شروع ہو کر گوادر پہنچنے والے احتجاج کی خبریں شائع کرنے کے بعد ان کے اخبار کے اشتہارات بند کر دیے گئے۔

اخباری مالکان کی تنظیم آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی اور کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز کی جانب سے حال ہی میں جاری ہونے والے ایک اعلامیے میں انور ساجدی کے بیان کی تصدیق کی گئی اور کہا گیا کہ بلوچستان بالخصوص کوئٹہ میں طویل عرصہ تک پریس ایڈوائس کے بعد اب باقاعدہ سینسر شپ نافذ کر دی گئی ہے۔

بلوچستان حکومت کے ترجمان شاہد رند سینسر شپ کے الزامات کو مسترد کرتے ہیں۔ بی بی سی سے بات کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ 'کوئی تحریری حکمنامہ دکھا دیں جو حکومت نے جاری کیا ہو۔'

تاہم اے پی این ایس کے بیان میں یہاں تک کہا گیا کہ 'بلوچستان میں محکمہ تعلقات عامہ کے وہ افسران اخبارات کے دفاتر جا کر ناپسندیدہ خبروں کی اشاعت رکوا دیتے ہیں جو اشتہارات جاری کرنے کا بھی اختیار رکھتے ہیں۔'

پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹ کا بھی ایک بیان سامنے آیا ہے جس میں صرف انتخاب اخبار کے اشتہار بند کرنے کی مذمت کی گئی اور کہا گیا کہ 'بلوچستان حکومت کو آمرانہ رویہ نہیں اپنانا چاہیے۔'

پاکستان میں سینسر شپ کی شکایت نئی نہیں اور نہ ہی یہ چھوٹے اخبارات تک محدود ہے۔ حال ہی میں پاکستان میں ایسے کئی واقعات رونما ہوئے جن سے جڑی خبریں سوشل میڈیا پر تو نظر آتی رہیں لیکن بہت سے صارفین یہ شکایت کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ مین سٹریم میڈیا یعنی بڑے نشریاتی ادارے ان واقعات کو دکھاتے نہیں یا پھر ایک مخصوص زاویے تک محدود رہتے ہیں۔

ایسے میں بنوں میں احتجاج کا معاملہ ہو یا پھر حال میں گوادر میں ہونے والا دھرنا، پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں بجلی کے بلوں کا تنازع ہو یا پھر کرم میں ہونے والے فسادات، سوشل میڈیا پر ان واقعات سے جڑی افواہیں،

وہاب بلوچ نے یہ گلہ بدھ کے دن کراچی پریس کلب میں ایک پریس کانفرنس میں کیا تھا جس کے بعد جب میں نے پاکستان کے ایک بڑے چینل کے رپورٹر سے پوچھا کہ کیا وہ اس پریس کانفرنس کو ٹی وی کی سکرین پر نشر بھی کریں گے تو انھوں نے جواب دیا کہ 'اس کو بھیج دیں گے، فیصلہ ڈیسک نے کرنا ہوتا ہے۔'

دعوے، غیر مصدقہ تصاویر اور ویڈیوز کی بہتات یہ فیصلہ مشکل کر دیتی ہے کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا۔

خیبر پختونخوا کے شہر بنوں میں امن مارچ پر فائرنگ کے بعد سوشل میڈیا پر متعدد ہلاکتوں کی خبریں تصاویر اور ویڈیوز عام ہوئیں۔ اسی طرح بلوچ یکجہتی کمیٹی کے احتجاج کے دوران بھی مختلف علاقوں بالخصوص مستونگ میں زخمیوں اور ہلاکتوں کی تعداد پر سوشل میڈیا پر متضاد دعوے کیے گئے جبکہ حقیقی تعداد کم تھی۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ ایسے زیادہ تر واقعات میں ریاست اور فوج مخالف جذبات دکھائی دیتے ہیں۔

ایسے میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ بڑے نشریاتی ادارے ان واقعات کو کیوں نمایاں جگہ نہیں دیتے اور اس سے بھی اہم سوال یہ ہے کہ کیا اسی وجہ سے سوشل میڈیا پر فیک نیوز پروان پاتی ہے؟

بی بی سی نے صحافیوں، ٹی وی چینل میں کام کرنے والوں اور تجزیہ کاروں سے ان سوالوں کے جواب جاننے کی کوشش کی ہے۔

سینسر شپ یا سیلف سینسر شپ؟

بلوچ یکجہتی کمیٹی کے وائس چیئرمین وہاب بلوچ کو صحافیوں سے گلہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ 'چند صحافیوں کے علاوہ مین سٹریم میڈیا نے بلوچستان کے سنگین مسئلے پر ایک لفظ نہیں بولا۔ تمام ٹاک شوز میں مظلوموں کے بجائے مخالفین کا بیانیہ سنایا گیا۔'

وہاب بلوچ نے یہ گلہ بدھ کے دن کراچی پریس کلب میں ایک پریس کانفرنس میں کیا تھا جس کے بعد جب میں نے پاکستان کے ایک بڑے چینل کے رپورٹر سے پوچھا کہ کیا وہ اس پریس کانفرنس کو ٹی وی کی سکرین پر نشر بھی کریں گے تو انھوں نے جواب دیا کہ 'اس کو بھیج دیں گے، فیصلہ ڈیسک نے کرنا ہوتا ہے۔'

ٹی وی چینلز یا بڑے نشریاتی اداروں کی خبروں میں ایسے واقعات کو نمایاں مقام کیوں نہیں ملتا؟ اس سوال کا ہمیں مختلف افراد نے مختلف جواب دیا۔

سینیئر صحافی اور اینکر پرسن مجاہد بریلوی نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ 'صحافی خبر تو رپورٹ کرتے ہیں لیکن ایک ایک خبر کے لیے ریاستی اداروں کی ایڈوائس آتی ہے کہ یہ خبر جائے گی یا نہیں۔'

وہ کہتے ہیں کہ 'مین سٹریم میڈیا کوشش کر رہا ہے لیکن دباؤ بہت ہے، ان کے معاشی مفادات ان کی پیشہ ورانہ ذمہ

داریوں پر غالب ہوگئے ہیں۔'

کیا واقعی بڑے نشریاتی اداروں کو ہر خبر پر دباؤ کا سامنا ہوتا ہے؟

ایک بڑے نشریاتی ادارے کے ڈائریکٹر نے اپنا اور ادارے کا نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ 'ایسا نہیں کہ ہر خبر کے لیے ہی کہیں سے دباؤ آتا ہے۔'

پاکستان کے ایک اور نیوز چینل کے کنٹرولر نیوز نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر اعتراف کیا کہ 'یہ علم ہوتا ہے کہ بلوچ یکجہتی کمیٹی، پشتون تحفظ موومنٹ اور سندھی قوم پرست جماعتیں ریاست اور ریاستی اداروں کے خلاف نعرے لگائیں گے تو ان کی خبریں روک دی جاتی ہیں اور اگر کسی صورت میں دی بھی جائیں تو وہ خبر ڈیسک ہی تیار کرتا ہے۔'

صحافی افتخار فردوس بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ 'پاکستانی میڈیا نے سیلف سینسر شپ بھی لگا رکھی ہے جس کی وجہ ان کے ذہن میں پایا جانے والا یہ خوف ہے کہ اگر مزاحمتی تحریکوں کو مین سٹریم پر آنے دیا تو یہ نہ ہو کہ ریاستی ادارے ناراض ہو جائیں۔ ان تحریکوں کے میڈیا بلیک آوٹ کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔'

نیوز ویب سائٹ خراسان ڈائری کے ایڈیٹر افتخار فردوس کہتے ہیں کہ 'ہم دیکھ رہے ہیں کہ ریاست کی طرف سے ایک بیانیہ بنایا گیا، جو مزاحمتی تحریکوں کے بیانیے کو تھریٹ سمجھتے ہیں۔'

'گزشتہ دس سال سے یہاں ففتھ جنریشن وارفیئر کے نام سے کچھ الفاظ استعمال کر کے یہ بتایا گیا کہ پاکستان صرف سکیورٹی کے مسائل کا سامنا نہیں کر رہا بلکہ میڈیا کے محاذ پر بھی شدید خطرات کا سامنا کر رہا ہے اور حالیہ دنوں ہم نے ڈیجیٹل دہشت گردی کی بات بھی سنی تو یہ تمام چیزیں ہیں جو وجہ بن رہی ہیں مین سٹریم میڈیا میں مزاحمتی تحریکوں کو جگہ نہ ملنے کی۔'

واضح رہے کہ پاکستان کی وفاقی حکومت اور فوج کے شعبہ تعلقات عامہ کے ترجمان کی جانب سے مختلف اوقات میں بلوچستان میں احتجاجی تحریک، خیبر پختونخوا میں بنوں میں امن احتجاج کرنے والوں پر تنقید کی جا چکی ہے اور ان پر ریاست مخالف پروپیگنڈا کا حصہ بننے کا الزام عائد کیا گیا۔

فیک نیوز

وفاقی اردو یونیورسٹی کے شعبہ صحافت کے سابق سربراہ اور کالم نویس ڈاکٹر پروفیسر توصیف احمد کہتے ہیں کہ 'ریاست مین سٹریم میڈیا کو ریگولیٹ کر رہی ہے لیکن یہ ریاست کی نئی پالیسی نہیں، یہ سلسلہ 14 اگست 1947 سے ہی شروع ہو گیا تھا۔'

'سرکاری مشینری کا خیال ہے کہ ان کوششوں سے انفارمیشن کو مار دیا جائیگا لیکن خیبر پختونخوا اور بلوچستان کی

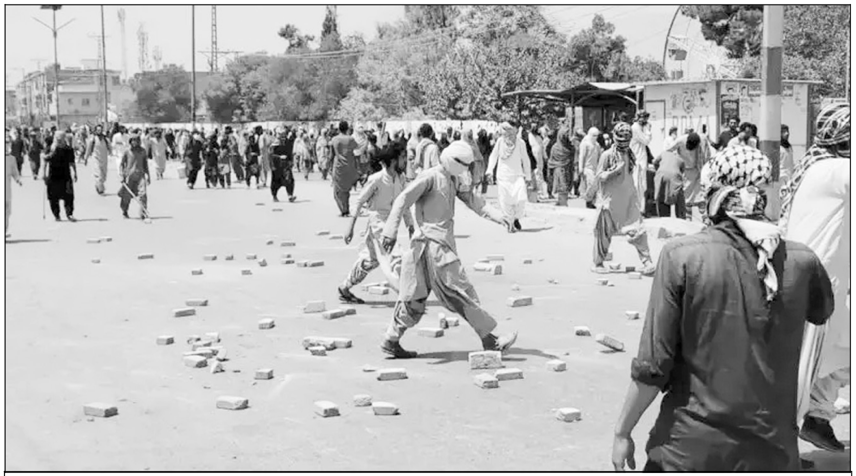

لاپتہ بلوچ افراد کی بازیابی کے لیے گوادر میں گذشتہ کئی روز سے احتجاج جاری ہے

مثال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معلومات کو مارنے کی کوششوں سے یہ مرتی نہیں جاتی بلکہ اور زیادہ پھیلتی ہے۔'

وہ کہتے ہیں کہ 'مین سٹریم میڈیا میں اگر خبر نہیں بھی آئے گی تو عوام تک تو پہنچ رہی ہے۔'

> **ندا کرمانی کا ماننا ہے کہ 'لوگ اب مین سٹریم میڈیا پر اعتبار بھی نہیں کرتے کیونکہ ان کو پتا ہے کہ ریاست کا اتنا سخت کنٹرول ہے کہ وہاں بھی بہت ساری ایسی خبریں چلتی ہیں جو سچ نہیں ہوتی۔**

عوام تک یہ خبریں پہنچنے کا ایک فوری اور بڑا ذریعہ سوشل میڈیا ہے جو مختلف سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کے ذریعے لمحوں میں ملک کے ایک کونے کی خبر دوسرے کونے تک پہنچانے کی سکت رکھتا ہے تاہم ایسے میں جھوٹی اور سچی خبروں میں تفریق کرنا عام آدمی کے لیے ناممکن ہو جاتا ہے۔

لمز یونیورسٹی کی پروفیسر ندا کرمانی کہتی ہیں کہ 'مسئلہ یہ ہے کہ سوشل میڈیا میں اصلی نیوز بھی ہوتی ہے اور فیک نیوز بھی ہوتی ہے لیکن جب آپ مین سٹریم میڈیا کو اتنا کنٹرول کریں گے تو لوگوں کے پاس سوشل میڈیا کے علاوہ کوئی اور آپشن نہیں۔'

ندا کرمانی کا ماننا ہے کہ 'لوگ اب مین سٹریم میڈیا پر اعتبار بھی نہیں کرتے کیونکہ ان کو پتا ہے کہ ریاست کا اتنا سخت کنٹرول ہے کہ وہاں بھی بہت ساری ایسی خبریں چلتی ہیں جو سچ نہیں ہوتی۔ مین سٹریم میڈیا میں تو صرف ریاست کا بیانیہ چلتا ہے۔'

'تو اب فیک اور اصلی نیوز میں لوگ فرق نہیں پہچان پاتے۔'

حال ہی میں پاکستان میں سماجی رابطوں کے پلیٹ فارمز پر بھی پابندیوں کا رواج دیکھنے کو ملا ہے جس کی ایک مثال ایکس یا سابقہ ٹوئٹر ہے جس پر ملک میں پابندی کے باوجود وی پی این کے ذریعے استعمال کیا جا رہا ہے۔

دوسری جانب صحافی وینگس کہتی ہیں کہ انھوں نے جب بلوچستان کی صورتحال پر انڈین اخبار میں شائع ہونے والی اپنی رپورٹ کا لنک فیس بک پر شیئر کیا تو 'فیس بک نے اس کو ڈیلیٹ کر دیا اور میسیج آیا کہ یہ مواد ان کی کمیونٹی گائیڈ لائنز کی خلاف ورزی ہے۔'

(بشکریہ بی بی سی اردو نیوز)

دنیا کا ہر ملک صنفی مساوات کے حصول میں ناکام

یو این ورکنگ گروپ

خواتین اور لڑکیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کے خلاف اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ نے ٹھوس بنیادوں پر حقیقی صنفی مساوات یقینی بنانے کی فوری ضرورت پر زور دیا ہے۔

گروپ کا کہنا ہے کہ دنیا بھر کی خواتین اور لڑکیوں کو اپنے حقوق سے مساوی طور پر کام لینے سے روکا جا رہا ہے اور اس صورتحال پر قابو پانے میں مزید تاخیر کی گنجائش نہیں۔

خواتین اور لڑکیوں کے حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل کو پیش کردہ رپورٹ میں گروپ نے کہا ہے کہ اگرچہ اس معاملے میں قدرے بہتری بھی دیکھنے کو ملی ہے لیکن کوئی بھی ملک مکمل صنفی مساوات قائم نہیں کر سکا۔

خواتین اور لڑکیوں کو زندگی کے ہر شعبے میں تفریق کا سامنا ہے اور اس کا آغاز ان کے اپنے خاندانوں اور علاقوں سے ہوتا ہے۔

صنفی عصبیت

ورکنگ گروپ نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ اس وقت دنیا کی تقریباً نصف آبادی کو اس کے مکمل انسانی حقوق اور آزادیاں میسر نہیں ہیں جو کہ ناقابل قبول صورتحال ہے۔

رجعتی تحریکیں خواتین اور لڑکیوں کے انسانی حقوق اور دنیا بھر میں صنفی مساوات کے حصول میں اب تک ملنے والی کامیابیوں کے لیے خطرہ ہیں۔ ان حالات میں جنسی و تولیدی صحت کے حقوق کی مخالفت میں اضافہ ہو رہا ہے، ذرائع ابلاغ میں خواتین اور صنفی برابری کے خلاف بیانیہ تقویت پا رہا ہے جس کے ساتھ خواتین اور لڑکیوں کے حقوق کا تحفظ کرنے والوں کے خلاف حملے بڑھ رہے ہیں۔

رپورٹ کے مطابق، بعض ممالک میں یہ مخالفت انتہائی حدود کو چھو رہی ہے۔ افغانستان اس کی تشویشناک مثال ہے۔ طالبان کے امتیازی اور خواتین مخالف احکامات، پالیسیوں اور ان کے سختی سے نفاذ کے ذریعے افغان خواتین اور لڑکیوں کے بنیادی حقوق بڑے پیمانے پر منظم طور سے پامال کیے جا رہے ہیں جو کہ صنفی عصبیت کے مترادف ہے۔

حقیقی صنفی مساوات

رپورٹ میں ممالک سے کہا گیا ہے کہ وہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی قانون کی مطابقت سے صنفی مساوات یقینی بنانے کے لیے کام کریں۔ نجی شعبے کے کرداروں کو ان کوششوں کی حمایت کرنی چاہیے اور خواتین اور لڑکیوں کے حقوق کو احترام اور تحفظ دینا چاہیے۔

حقیقی مساوات کا مطلب مختلف شعبہ ہائے زندگی میں خواتین اور مردوں کو ظاہری مساوی نمائندگی دینے کا نام نہیں بلکہ اس کا مطلب سماجی عناصر، ثقافت، سیاست اور معیشت میں اس انداز میں تبدیلی لانا ہے جس سے صنفی مساوات کی راہ میں حائل بنیادی رکاوٹوں کا خاتمہ ہو سکے۔

رجعتی تحریکیں خواتین اور لڑکیوں کے انسانی حقوق اور دنیا بھر میں صنفی مساوات کے حصول میں اب تک ملنے والی کامیابیوں کے لیے خطرہ ہیں۔ ان حالات میں جنسی و تولیدی صحت کے حقوق کی مخالفت میں اضافہ ہو رہا ہے، ذرائع ابلاغ میں خواتین اور صنفی برابری کے خلاف بیانیہ تقویت پا رہا ہے جس کے ساتھ خواتین اور لڑکیوں کے حقوق کا تحفظ کرنے والوں کے خلاف حملے بڑھ رہے ہیں۔

امید کی کرنیں

ورکنگ گروپ نے دنیا بھر میں کروڑوں خواتین اور لڑکیوں کی انقلابی قوت، ان کی تحریکوں اور اتحادیوں کو سراہا ہے جو ان کے حقوق کو فروغ دینے، ان کی راہ میں حائل رکاوٹوں کے خلاف مزاحمت کرنے اور سبھی کے لیے منصفانہ، مشمولہ، پرامن اور پائیدار معاشرے تعمیر کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ گروپ کا کہنا ہے کہ یہ لوگ ہر ایک کے لیے باعث تحریک اور مستقبل کے لیے خوش امیدی کی بڑی وجہ ہیں۔

ورکنگ گروپ نے موریطانیہ اور مالٹا کے اپنے دوروں سے متعلق رپورٹیں بھی انسانی حقوق کونسل کو پیش کی ہیں۔

(بشکریہ یو این خبر نامہ)

انسانی اسمگلنگ میں ملوث عناصر کے خلاف کارروائی کا مطالبہ

خیبر تمام متعلقہ ادارے لنڈی کوتل کے نوجوانوں کو غیر قانونی طور پر ملائشیا اور ترکی بھیجنے والے ایجنٹس کے خلاف فوری کارروائی کریں، بیرون ملک روزگار کا جھانسہ دیکر لوگوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنے کا سلسلہ بند کیا جائے۔ ان خیالات کا اظہار پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے رکن سمیع اللہ آفریدی نے اپنے دیگر ساتھیوں نجیب خاور تپخن، کتاب شاہ اور ظاہر حسین کے ہمراہ لنڈی کوتل پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کیا۔ سمیع اللہ آفریدی کا کہنا تھا کہ ملائشیا ٹریول اور ٹورزم کے بیشتر ایجنٹس اور ایجنسیز نوجوانوں کو سبز باغ دکھا کر انہیں وہاں بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہیں۔ وہاں ایک ایک کمرے میں دس سے پندرہ نوجوان اکٹھے زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ صفائی کی ابتر صورتحال، ناقص خوراک اور پولیس کا خوف ان کو ذہنی اذیت سے دوچار کرتا ہے۔ ملائشیا کے وزٹ ویزا کی فیس صرف بیس ہزار روپے ہے جبکہ ٹریول ایجنٹس نے لنڈی کوتل کے سینکڑوں نوجوانوں سے چار سے پانچ لاکھ روپے وصول کیے ہیں جو کہ سراسر ظلم ہے۔ وزٹ ویزا پندرہ یا تیس دن کے اندر ایکسپائر ہو جاتا ہے اور اسکے بعد یہ نوجوان پولیس ہر وقت پولیس کے خوف میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان کو لیبر لاء کے تحت کسی بھی قسم کی سہولت حاصل نہیں ہوتی۔ وہاں غیر قانونی طور پر رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے یہ لوگ مناسب رہائش، خوراک اور علاج معالجے کی سہولت سے محروم رہتے اور نہ ہی حادثے کی صورت میں پاکستان کا سفارت خانہ ان کی مدد کرتا ہے۔ سمیع اللہ آفریدی نے بتایا کہ گزشتہ کچھ عرصے میں لنڈی کوتل کے کئی نوجوان ملائیشیا میں لقمہ اجل بن گئے اور کئی زخمی ہوئے۔ ملائیشیا میں شلمان کے ایک نوجوان فرمان کا ہاتھ بھاری مشین میں پھنس گیا اور چار انگلیاں کٹ گئیں، وصیف نامی نوجوان ٹی بی کے مرض سے فوت ہوا اور یونس خان بھی وقت پر طبی سہولت نہ ملنے اور مناسب دوائیاں نہ ملنے کی وجہ سے ہلاک ہوا۔ انہوں نے ایف آئی اے لوکل انتظامیہ اور انڈسٹریز اینڈ کامرس سے مطالبہ کیا کہ اس دھندے میں ملوث افراد کے خلاف قانونی کارروائی کریں۔ نجیب خاور تپخن نے کہا کہ والدین اپنے بچوں کو ان ظالموں کے حوالے نہ کریں بلکہ خود پاکستان بیورو آف امیگریشن کی ویب سائٹ پر جا کر ملک، کام اور نوکری کا انتخاب کریں اور ایجنٹوں کی بجائے خود اپنا ورک پرمٹ حاصل کریں اور ویزا لگوائیں۔

(منظور آفریدی)

پاکستان میں بچوں کو متاثر کرنے والے مسائل

مدثر احمد

پاکستان میں دہائیوں سے بچوں کو بہت سے چیلنجز کا سامنا ہے

پاکستان میں دہائیوں سے بچوں کو بہت سے چیلنجز کا سامنا ہے جوان کی فلاح و بہبود، ترقی اور مستقبل کے مواقع کو نمایاں طور پر متاثر کرتے ہیں۔ ان میں سے، چائلڈ لیبر ایک پرانا اور گھمبیر مسئلہ ہے، جس میں بچوں کی ایک بڑی تعداد زبردستی مزدوری میں دھکیلی گئی ہے، جو اکثر خطرناک حالات میں کام کرتے ہیں۔ چائلڈ لیبر پاکستان , خاص طور پر صوبہ پنجاب میں ایک سنجیدہ مسئلہ ہے۔ باوجود اس کے کہ اسے حل کرنے کی متعدد کوششیں کی جارہی ہیں تاہم اس پر قابو پانے کے نتائج حوصلہ افزاء نہیں ہیں۔ پنجاب میں بچوں کی آبادی پنجاب کی کل آبادی کا 44 فیصد ہے۔ پنجاب چائلڈ لیبر سروے (پی سی ایل ایس) 2019-2022 کے مطابق 5 سے 14 سال کی عمر کے بچوں میں چائلڈ لیبر کی شرح 13.4 فیصد ہے۔ پاکستان کا شمار ان ممالک میں ہوتا ہے جہاں عالمی سطح پر چائلڈ لیبر کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ یہ نہ صرف انہیں تعلیم سے محروم کرتا ہے بلکہ انہیں شدید جسمانی اور ذہنی نقصان بھی پہنچاتا ہے۔ اس کی بنیادی وجوہات غربت، معیاری تعلیم تک رسائی کا فقدان اور سماجی و اقتصادی عدم مساوات ہے۔ مزید برآں، ثقافتی اقدار بھی اس حوالے سے اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ کچھ برادریوں میں، فیملی کی آمدنی میں حصہ ڈالنے کے ذریعہ کے طور پر چائلڈ لیبر کو ثقافتی طور پر قبول کیا جاتا ہے۔ بچوں کو جسمانی، ذہنی اور جنسی استحصال کا نشانہ بھی بنایا جاتا ہے۔ بچوں کے حقوق پر کام کرنے والے معروف ادارے ساحل کی رپورٹ 'ظالمانہ نمبر' 2023 کے مطابق اسلام آباد سمیت پاکستان کے تمام صوبوں سے بچوں کے ساتھ بدسلوکی کے کل 4213 واقعات رپورٹ ہوئے ہیں جن میں لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد شامل ہے۔ 6 سے 15 سال کی عمر کے بچے خاص طور پر خطرے میں ہیں، اکثر ان افراد سے جن کو وہ جانتے ہیں اور اعتماد کرتے ہیں۔

بچوں کی تعلیم تک رسائی ایک اہم مسئلہ ہے، خاص طور پر دیہی علاقوں میں لاکھوں بچے اسکول نہیں جاتے۔ پاکستان کے تعلیمی اعداد و شمار 2021-22 کے مطابق 11.73 ملین پنجاب سے، 7.63 ملین سندھ سے، 3.63 ملین کے پی کے سے، 3.13 ملین بلوچستان سے اور 0.08 ملین بچے اسلام آباد سے اسکول نہیں جاتے۔ غربت، چائلڈ لیبر اور ثقافتی رکاوٹوں جیسے عوامل بہت سے بچوں کو تعلیم تک رسائی سے روکتے ہیں۔ خاص طور پر لڑکیوں کو کم عمری کی شادی، گھریلو ذمہ داریوں اور عدم تحفظ سمیت اضافی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس سے تعلیم میں صنفی عدم مساوات کو مزید بڑھاوا ملتا ہے۔

بے گھر بچے کمزور گروہ کی نمائندگی کرتے ہیں، جو تعلیم اور صحت کی دیکھ بھال جیسی بنیادی خدمات تک رسائی سے محروم رہتے ہوئے استحصال اور بدسلوکی کا سامنا کرتے ہیں۔ بچوں کے حقوق سے متعلق قومی کمیشن کی رپورٹ 2022 کے مطابق پاکستان میں بے گھر بچوں کی تعداد 15 لاکھ ہے۔ ان بچوں کو متعدد مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن میں تعلیم، صحت کی دیکھ بھال اور خوراک اور رہائش جیسی ضروریات تک رسائی کا فقدان شامل ہے۔ استحصال، بدسلوکی اور اسمگلنگ کا شکار، سڑکوں پر رہنے والے بچے اکثر خطرناک کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ حفاظتی ماحول کی عدم موجودگی انہیں جسمانی اور نفسیاتی نقصان سے دوچار کرتی ہے۔

> **میری رائے میں بچوں سے متعلق ان مسائل سے نمٹنے کے لیے حکومتی اداروں کی مشترکہ کوششوں کی ضرورت ہے۔ پاکستان کے تمام صوبوں میں اپنے ذیلی اداروں کی نگرانی اور معاونت کے لئے بین الاقوامی تنظیموں کی تکنیکی مدد کے ساتھ ایک مرکزی سطح پر ایک خودمختار سرکاری ادارے کی ضرورت ہے۔ اس ادارے کو ون اسٹاپ آپریشن کی طرح کام کرنا چاہئے، بچوں کے حقوق کے کسی بھی مسئلے کے لئے تمام ضروری مدد اور اقدامات فراہم کرنا چاہئے۔**

بچے آن لائن ہراسانی اور استحصال کا شکار بھی ہیں۔ بچوں کو آن لائن تحفظ فراہم کرنے کے لئے آگاہی اور باضابطہ اقدامات کی کمی سے مسائل اور زیادہ گھمبیر ہوئے ہیں۔

آخر میں، آب و ہوا کی تبدیلی اور ماحولیاتی خطرات بچوں کی صحت اور ان کے خاندانوں کے ذریعہ معاش کو شدید متاثر کر رہے ہیں، خاص طور پر سیلاب زدہ اور قحط زدہ علاقوں میں۔ یہ ماحولیاتی چیلنجز پہلے سے ہی متعدد دیگر مسائل سے دوچار بچوں کے لئے مشکلات کی ایک اور پرت کا اضافہ کرتے ہیں۔ پاکستان میں بچوں کو درپیش متعدد مشکلات سے نمٹنے کے لیے حکومت، غیر سرکاری تنظیموں اور بین الاقوامی اداروں کی مربوط کوششوں کی ضرورت ہے۔ غریب گھرانوں پر معاشی دباؤ کو کم کرنے کے لئے ان کی مالی مدد کے ساتھ ساتھ جامع قانون سازی کی ضرورت ہے۔ والدین میں بچوں کی تعلم کے بارے میں آگاہی مہموں کی بھی اشد ضرورت ہے۔ بچوں کے ساتھ بدسلوکی اور استحصال کا مقابلہ کرنے کے لئے پاکستان کو سخت قوانین نافذ کرنا ہوں گے۔ کم عمری کی شادی ایک بڑا مسئلہ ہے جس پر قابو پانے کے لیے قوانین اور پالیسیوں میں اصلاحات بہت ضروری ہیں۔ بے گھر بچوں کی بحالی نو کے پروگراموں اور بہتر سماجی خدمات اور انہیں معاشرے کا حصہ بنانے کی ضرورت ہے۔ انٹرنیٹ تک رسائی میں اضافے کے ساتھ آن لائن پلیٹ فارمز پر بچوں کی حفاظت کے لیے قواعد و ضوابط، انٹرنیٹ کے ذمہ دارانہ استعمال کے لئے تعلیمی پروگراموں، اور بچوں کے لیے دوستانہ ڈیجیٹل ماحول کے فروغ کو ترجیح دینی چاہیے۔ بچوں پر آب و ہوا کی تبدیلی اور ماحولیاتی خطرات کے اثرات کو کم کرنے کے لئے قدرتی آفات سے نمٹنے کے منصوبوں اور ماحولیاتی تحفظ پر سماج کی تعلیم کی ضرورت ہے .

میری رائے میں بچوں سے متعلق ان مسائل سے نمٹنے کے لیے حکومتی اداروں کی مشترکہ کوششوں کی ضرورت ہے۔ پاکستان کے تمام صوبوں میں اپنے ذیلی اداروں کی نگرانی اور معاونت کے لئے بین الاقوامی تنظیموں کی تکنیکی مدد کے ساتھ ساتھ مرکزی سطح پر ایک خودمختار سرکاری ادارے کی ضرورت ہے۔ اس ادارے کو ون ونڈو آپریشن کی طرح کام کرنا چاہئے، بچوں کے حقوق کے کسی بھی مسئلے کے لئے تمام ضروری مدد اور اقدامات فراہم کرنا چاہئے۔ اہم اقدامات میں ہیلپ لائن پر رپورٹ ہونے والے بچوں کے کسی بھی مسئلے پر فوری ردعمل ظاہر کرنا، بچے کو بچانا، متاثرین کو مفت قانونی مدد کی پیشکش کرنا، بحالی نو اور نفسیاتی مدد کو یقینی بنانا اور بچوں کے حقوق کی خلاف ورزیوں کی روک تھام کے لئے ایک جامع منصوبہ تیار کرنا شامل ہے۔

بچوں کی حفاظت کے بارے میں عملے کو اچھی طرح سے تربیت یافتہ ہونا چاہئے۔ این جی اوز، بین الاقوامی اداروں اور دیگر فریقین کے ساتھ مشاورت سے پاکستان میں بچوں کو درپیش چیلنجز کا حل تلاش کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ بچے کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں لیکن بدقسمتی سے موجودہ حالات میں وہ سب سے زیادہ کمزور ہیں اور عدم توجہ کا شکار ہیں۔

سماجی تنظیموں کے وفد کی چولستان ترقیاتی اتھارٹی کے مینیجنگ ڈائریکٹر سے ملاقات

خواجہ اسد اللہ

چولستان کے غریب عوام کے مالکانہ حقوق کے تحفظ پر زور

چولستانیوں کے حقوق کیلئے متحرک چولستان دفاع کونسل، چولستان کی آواز اور تحریک بحالی حقوق چولستان کے مشترکہ وفد نے یکم جولائی کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے متحرک کارکنان شیخ مقبول حسین، ماسٹر عبید الرحمان اور خواجہ اسد اللہ کے ہمراہ چولستان ترقیاتی اتھارٹی کے مینیجنگ ڈائریکٹر سے چولستان کے بے زمین کسانوں کو الاٹمنٹ کے بعد پیش آنے والی مشکلات کے حل کیلئے ملاقات کی۔

گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے خواجہ اسد اللہ نے کہا کہ گذشتہ کئی سالوں سے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق چولستان کے پسماندہ اور حقوق سے محروم چولستانیوں اور مذہبی اقلیتوں کو شعور و آگاہی دینے کے ساتھ ساتھ انہیں منظم کر رہا ہے تاکہ وہ اپنے حقوق کے حصول کیلئے خود آواز اُٹھا سکیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے 23-2022 میں چولستانیوں کو متحرک رکھنے کیلئے متعدد پروگرام ترتیب دیئے اور چک نمبر 93 ڈی بی میں دوروزہ شکایت کیمپ لگایا جہاں سینکڑوں چولستانیوں نے اپنی شکایات درج کروائیں۔ خواجہ اسد اللہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ حکومت پنجاب نے 2010ء میں چولستان کے بے زمین کسانوں سے درخواستیں طلب کیں جن کی تعداد 64 ہزار سے زائد تھی۔ جو چولستان ترقیاتی ادارہ سے ایک طویل سکروٹنی پراسیس کے بعد فائنل ہو کر 45841 کے اعداد و شمار تک پہنچی مگر 27545 لاٹوں کا شیڈول تیار کیا گیا اور عدالت عالیہ کے حکم سے نگران پنجاب حکومت نے پنجاب انفارمیشن ٹیکنالوجی بورڈ کے ذریعے ڈیجیٹل قرعہ اندازی سے 27545 چولستانیوں کے نام فائنل کیے مگر ابھی تک چولستانی دخل نہیں لے سکے۔ جنہیں ملیں وہ رشوت اور سفارش کے ذریعے ملیں۔ چولستانیوں کا مطالبہ ہے کہ انہیں قرعہ اندازی کے کاغذات (دخل) فوری طور پر دیئے جائیں اور وہ بھی یونین کونسل کی سطح پر۔

چولستان دفاع کونسل کے صدر ماسٹر اللہ رکھا نے کہا کہ ہم ایچ آر سی پی کے مشکور ہیں جنہوں نے ہمیں منظم کیا اور اپنی آواز اُٹھانے کے قابل بنایا کہ آج ہم آپ کے پاس اپنے مسائل کے حل کے لیے آئے ہیں۔ گذشتہ 14 سالوں سے چولستان کے مقامی رہنماؤں نے ہمیں جھوٹی تسلیاں دیں مگر ووٹ لینے کے بعد چولستان آنا تو دور کی بات وہ چولستانیوں سے ملنا بھی پسند نہیں کرتے بلکہ انہوں نے ہمیں کمی اور شودر سمجھا ہوا ہے۔

بڑی سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے مقامی سیاستدانوں نے ایکا کر رکھا تھا کہ چولستانیوں کو زمین کا مالک نہیں بننے دینا۔ ماسٹر اللہ رکھا نے بتایا کہ کچھ چولستانیوں کے پاس اپنا رقبہ ہے مگر ایک مخصوص ٹولہ اسے محکمہ چولستان سے ملکر A کیٹگری کا رقبہ شمار کروا رہا ہے تاکہ وہ سرمایہ دار ٹولہ یہ رقبہ بولی کے ذریعے خرید کر سکے۔ ہم آپ سے ملتمس ہیں کہ آپ اس ناانصافی پر ایکشن لیں۔

چولستان کی آواز کے جنرل سیکرٹری محمد ناصر نے کہا کہ موجودہ الاٹمنٹ سکیم میں تقریباً 45 ہزار سے زائد چولستانیوں کی درخواست برائے الاٹمنٹ بی اور سی کیٹیگری منظور ہوئی ہیں جن میں سے 27544 درخواستیں قرعہ اندازی کے ذریعے پاس ہوئیں، بقیہ درخواستوں کی قرعہ اندازی جلد از جلد کی جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ آپ کی توجہ ایک اہم ناانصافی کی جانب مبذول کرواتا ہوں کہ چولستان کی جن یونین کونسلز کا تعلق ڈسٹرکٹ بہاولپور سے ہے وہاں ذرمستاجری کی فیس 25 ہزار ہے جبکہ چولستان کی جن یونین کونسلز کا تعلق ڈسٹرکٹ رحیم یارخان سے ہے وہاں کے کسانوں سے 88,500 روپے ذرمستاجری وصول کی جارہی ہے حالانکہ یہ رقبہ بنجر ہے۔

تحریک بحالی حقوق چولستان کے رکن ملک ظفر نے بتایا کہ نہر مراد چکوک کے سینکڑوں الاٹیوں کو دخل نہیں دیئے جارہے اور وجہ یہ بتائی جارہی ہے کہ محکمہ نے یہ کہہ کر سٹے دے دیا ہے کہ یہ رقبہ دفاعی مقاصد کیلئے ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں فوراً متبادل رقبہ دیا جائے۔ تحریک بحالی حقوق چولستان کے صدر ذوالفقار علی نے نشاندہی کی کہ یونین کونسل میں جن چکوک کے دخل جاری کیے گئے ہیں ان کے لیے راستہ موجود نہیں ہے۔ لہٰذا سڑک کی تعمیر کا آرڈر کریں تاکہ نئے چکوک کی آبادی کو راستے کا مسئلہ نہ ہو۔

کیئر ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن کے صدر رانا محبوب نے ایم ڈی چولستان کو بتایا کہ چولستان میں سب سے پسماندہ اور کمزور طبقہ مذہبی اقلیتیں ہیں۔ ہندو کمیونٹی یہاں صدیوں سے آباد ہے مگر ان کی آبادیوں میں بنیادی انسانی سہولیات کا نام و نشان نہیں، حتیٰ کہ ان کی عبادت گاہوں کیلئے جگہ مختص نہیں، سڑکیں، سکول، ہسپتال تو دور کی بات ہے انہیں اپنے فوت ہونے والے مُردوں کو دفنانے کیلئے بہت دُور جانا پڑتا ہے، قریبی قبرستان ہیں اور نہ ہی چتا جلانے کیلئے شمشان گھاٹ ہیں۔

ٹرانس جینڈر آرگنائزیشن کی صدر صاحبہ جہاں نے مینیجنگ ڈائریکٹر کو بتایا کہ کمیونٹی کا سب سے حساس اور کمزور طبقہ خواجہ سراء ہیں۔ صوبائی حکومتیں ان کے لیے بنیادی سہولتیں دینے کی سوچ بھی نہیں رکھتیں۔ آپ ایک بااختیار اتھارٹی کے سربراہ ہیں۔ ہمارے ڈویژن بھر کے خواجہ سراؤں کی چولستان میں رہائش کیلئے کالونیوں کیلئے جگہ مختص کریں اور انہیں بھی بے زمین کسانوں کی طرح شمار کر کے زمین کا مالک بنائیں تو وہ بھی باعزت روزگار حاصل کر سکیں گے۔

شیخ مقبول حسین نے بتایا کہ حکومت نے چولستان کی اراضی میں سے 7 لاکھ ایکڑ زمین مختلف ملکوں کو دے دی ہے مگر غریب چولستانیوں کو عدالت نے زمین تو الاٹ کرنے کے احکامات دے دیئے مگر ان پر عمل درآمد بہت سست ہے۔ بہتر ہے کہ حکومت پاکستان اپنے غریب کسانوں کو جو زراعت اور کاشتکاری کا تجربہ رکھتے ہیں، انہیں زمین کا مالک بنائے۔ بلکہ ہمارا حکومت سے مطالبہ ہے کہ ریاست بہاولپور کے نواب الصادق کے نام پر چولستان کے مختلف مقامات پر 4 اور نئے شہر بنائیں اور ڈویژن بھر کے وہ شہری جو کرایہ کے مکانات میں رہتے ہیں ان کو 10 مرلے کے پلاٹ بنا کر دیئے جائیں جس سے کارآمد اور زرخیز زمین کاشتکاری کے لیے میسر ہوگی اور صحرائی زمینوں پر نئے شہر بنانے سے شہروں کی آبادی پر بوجھ بھی کم ہوگا۔

مینیجنگ ڈائریکٹر چولستان سید نعیم اقبال نے بتایا کہ جو چیزیں میرے دائرہ کار میں ہیں وہ میں فوراً الاٹ کرتا ہوں جو میرے دائرہ کار سے باہر ہیں وہ میں پنجاب گورنمنٹ سے کوشش کر کے منظور کرا دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ ہندو کمیونٹی چولستان کے مختلف چکوک میں رہائش پذیر ہے اگر وہ بڑے بڑے گاؤں بنا کر ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو میں فوری اقدامات کر سکتا ہوں جہاں تک اُن کیلئے قبرستان، راستے کا مسئلہ ہے وہ بھی فوری حل کرتے ہیں، البتہ سکول، بجلی اور ہسپتال کیلئے مقامی سیاستدانوں اور پنجاب حکومت سے رابطہ رکھیں اور اس کوشش میں آپ مجھے اپنے ساتھ شامل پائیں گے۔

شور کا آشوب ہے

شہر کی گلیوں میں بہتا شور اک آشوب ہے
مختلف آنکھوں میں رکھے ایک جیسے خواب
مختلف لفظوں میں اک جیسے معانی
بدزبانی، گالیاں، سیٹیاں اور تالیاں
نعرے بازی، الٹی میٹم
بوٹ، سولی، کوڑے، ڈنڈے
قیدیوں کی ویگنیں
رات کا اخبار ہو، یا دن کا پہریدار ہو
شام کا کھانا ہو یا پھر کوئی موٹر کار ہو
شاعروں کی شاعری اور کوٹھیوں کی روشنی
ریڑھیوں کے ٹائروں سے بات کرتی گندگی
فون کی گھنٹی گھڑی کی سوئیاں
چھت کا پنکھا یا گلی میں سے گزرتی گاڑیاں
ڈاکیے کی ڈاک ہو یا کوزہ گر کا چاک ہو
فوٹو کاپی کی مشینوں سے پھسلتی روشنی
یا کاریگر کی ناک ہو
یا کسی کی دھاک ہو
دھک دھکا دھک
چھک چھکا چھک
بک بکا بک
پائلوں کی چھن چھنا چھن
چوڑیوں کی کھن کھنا کھن
چُپ کرو، اے سی چلاؤ، بند کر دو یہ کواڑ!

عثمان ضیاء

☆☆☆

بول جمورا (سرائیکی نظم)

بول جمورا
مالی، بلبل، باغ دا کیا تھئے
جی استادا
باغ کوں باغ دے مالی ساڑے
بلبل دریا پار دو اڈ گئی

مخمور قلندری

☆☆☆

آخری نام

کتبہ لکھتے وقت
میرا نام
میرے قاتل سے پوچھنا
یہ درست ہے
کہ میرا ایک نام میرے باپ نے رکھا تھا
اور ماں نے لاڈ میں مجھے اک اور سے پکارا تھا
کوئی درجن بھر نک نیم
مجھے میرے دوستوں اور ہم جماعتوں نے دیے
اور شاعر ہونے کے ناطے
میں نے ایک تخلص
اپنے نام کے آخر میں چپکا لیا
مگر میری شناخت پر فل سٹاپ
میرے قاتل نے لگایا
میرے قتل کی وجہ کیا بنی
میری تشکیک؟
یا اس کا غیر کامل ہونا؟
نام میں اسلام اور تصوف کی زیادتی؟
میرے باپ کا پنجابی ہونا؟
یا میری ماں کے رگوں میں دوڑتا پٹھان خون؟
میری زبان؟
یا یگوں کی خاموشی کے بعد حق گوئی کے دورہ؟
میرا آخری نام
میرے قاتل نے رکھا
کیا یہ مناسب نہیں کہ وہی کتبے پر کندہ کیا جائے
پی ایس:
اس کو خوش فہمی سمجھ لیں
یا شاعرانہ نرگسیت
کہ میں یہ تصور کر رہا ہوں
کہ میرا قاتل
میرے قتل کی وجہ جانتا ہے
کہ میں collateral damage نہیں
''پرائم ٹارگٹ'' ہوں!

احمد محی الدین

چنوتی۔۔۔

فقیراپی کے گھنگریالے لمبے بال قبائیلوں کے مسائل سے زیادہ الجھے ہوئے لگ رہے تھے

اس کے ہاتھ میں پکڑی بندوق کے دستے پہ لکھا ہوا "مجاہد" اسے دہشت گرد قرار دینے کے لیے کافی لگ رہا تھا

انگریز حکومت کے تنگ نظر گماشتے خوش تھے کہ اس دہشت گرد کی آڑ میں ہم جسے چاہیں گے جسے چاہیں گے ماریں گے۔۔۔

دنیا ہمارے اس مکروہ فعل پہ ہمیں شاباش ہی نہیں امن کے حصول کے لیے دولت کے انبار بھی دے گی

مگر ان گماشتوں کے گریبان سے پکڑ کر کوئی انھیں بتائے کہ

فقیراپی کسی فرد کا نام نہیں ہوتا۔۔۔

ان گماشتوں کے جد بھی اپنی بوٹیاں نوچنے پہ مجبور ہوئے تھے۔۔۔

یہ پہاڑ یہ راستے یہ وادیاں یہ فضائیں اور یہ مائیں اپنے ہر بیٹے کو فقیراپی بنا دیتی ہیں۔۔۔

فقیراپی کبھی داستان بن کر ماضی کا حصہ نہیں بنے گا اور نہ ہی اس کی بندوق کو کبھی زنگ لگ سکتا۔۔۔

خالد ندیم شانی

ع۔ کیڑے

ایک بندر کہ جس سے بہتر ہیں
گرلز اسکولوں کے ٹاٹ کے کیڑے
ہم سے بڑھ کر مزاحمت کریں گے
ڈی ایچ اے کے پلاٹ کے کیڑے
ادھ جلی استھیوں پہ پلتے ہیں
ہم ہیں شمشان گھاٹ کے کیڑے
کیا اسمبلی تو کیا وزیر مشیر
سڑ چکی فروٹ چاٹ کے کیڑے
کون فائکر کہ نان فائکر ہے
نان سینس۔۔۔ جیک پاٹ کے کیڑے

ارسلان احمد

یو این اداروں کا جنسی و تولیدی صحت تک رسائی عام کرنے کا مطالبہ

جنسی و تولیدی صحت کی خدمات تک رسائی

عالمی یوم آبادی پر اقوام متحدہ کے اداروں نے جنسی و تولیدی صحت کی خدمات تک عام رسائی یقینی بنانے اور تولیدی حقوق کو فروغ دینے کے لیے کہا ہے۔

ایک مشترکہ بیان میں اداروں نے حکومتوں، عام شہریوں، سول سوسائٹی اور نجی شعبے پر زور دیا ہے کہ وہ جنسی و تولیدی صحت سے متعلق لڑکیوں اور خواتین کے حقوق کو اس انداز میں ترقی دیں جس سے صنفی مساوات کو فروغ ملے۔

یہ بیان جاری کرنے والوں میں اقوام متحدہ کا آبادی فنڈ (یو این ایف پی اے)، عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او)، اقوام متحدہ کا ادارہ برائے اطفال (یونیسف)، خواتین کا ادارہ (یو این ویمن) اور یو این ایڈز شامل ہیں۔

مایوس کن منظر نامہ

بیان میں کہا گیا ہے کہ لڑکیوں اور خواتین کے جنسی و تولیدی حقوق یقینی بنانے کے معاملے میں گزشتہ تین دہائیوں میں نمایاں پیش رفت ہوئی ہے۔ 1990 کے بعد جدید مانع حمل طریقے استعمال کرنے والی خواتین کی تعداد دوگنا بڑھ گئی ہے۔ 2000 کے بعد زچہ کی شرح اموات میں 34 فیصد تک کمی آئی ہے۔ 2022 تک ایچ آئی وی کے علاج کی بدولت دنیا بھر میں 20.8 ملین اموات کو روکا گیا۔

تاہم حالیہ عرصہ میں یہ پیش رفت تھم گئی ہے اور بعض ممالک اور خطوں میں صورتحال پہلے سے بھی زیادہ خراب دکھائی دیتی ہے۔ کووڈ۔19 وبا کے اثرات، بڑھتے ہوئے مسلح تنازعات، موسمیاتی تبدیلی، عدم مساوات میں اضافے اور گہری ہوتی ارضی سیاسی تقسیم کے باعث معیاری اور ضروری طبی خدمات تک رسائی بھی متاثر ہو رہی ہے۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ یہ ناکامیاں بہتری کی جانب فوری اقدامات کا تقاضا کرتی ہیں۔ ان مسائل سے خواتین اور لڑکیاں غیر متناسب طور پر متاثر ہو رہی ہیں۔ یہ ان کے آگاہی پر مبنی فیصلوں اور جبر کے بغیر اپنے مکمل جسمانی اختیار سے کام لینے کی راہ میں رکاوٹ ہیں جو کہ بنیادی انسانی حق ہے۔

جنسی تعلیم کی اہمیت

انسانی حقوق کی بنیاد پر جنسی و تولیدی صحت کی خدمات اور معلومات تک مساوی و پائیدار رسائی بہت سی خواتین کی پہنچ سے دور ہے۔ ان میں خاص طور پر غریب خواتین اور بحران و جنگ زدہ علاقوں میں رہنے والی بالغ لڑکیاں شامل ہیں۔ تازہ

ترین معلومات کے مطابق تولیدی عمر میں نصف سے زیادہ خواتین کو حمل سے متعلق فیصلوں میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔

اداروں نے حکومتوں، عطیہ دہندگان، سول سوسائٹی اور نجی شعبے پر زور دیا ہے کہ وہ جنسی و تولیدی صحت کی خدمات کے جامع پیکیج تک رسائی کو بہتر بنائیں۔ یہ خدمات بنیادی مراکز صحت کی سطح پر بھی دستیاب ہونی چاہئیں۔

بیان میں جامع جنسی تعلیم تک رسائی میں تیزی سے اضافے کے لیے بھی کہا گیا ہے تاکہ لڑکیوں اور خواتین کو اپنی صحت اور بہبود سے متعلق ضروری آگاہی مل سکے۔ اداروں کا کہنا ہے کہ خواتین اور لڑکیوں کے تولیدی حقوق اور اختیار پر سرمایہ کاری کے نمایاں نتائج سامنے آتے ہیں جن میں ان کی سماجی بہبود، معاشی خوشحالی اور امن بھی شامل ہیں۔

جدید ٹیکنالوجی کی ضرورت

اقوام متحدہ کے اداروں نے نوجوانوں، خواتین اور دیگر لوگوں کی جانب سے جنسی و تولیدی صحت سے متعلق خدشات پر بات کرنے کی بڑھتی ہوئی کوششوں کی حمایت بھی کی ہے۔ انہوں نے سرکاری و نجی شعبے پر زور دیا ہے کہ وہ ٹیلی میڈیسن اور مصنوعی ذہانت جیسی جدید ٹیکنالوجی کو مزید وسعت دیں تاکہ خاص طور پر دور دراز اور غریب علاقوں میں بنیادی طبی خدمات تک رسائی کو بہتر بنایا جا سکے۔

اداروں کا کہنا ہے کہ ستمبر میں اقوام متحدہ کی کانفرنس برائے مستقبل سے قبل اب اس معاملے میں دلیرانہ اور فیصلہ کن انداز میں کام کرنے کا وقت ہے تاکہ تمام لوگوں کے لیے مزید منصفانہ، مساوی اور پائیدار مستقبل کی راہ ہموار کی جا سکے۔

(بشکریہ یو این خبر نامہ)

☆☆☆

غیر ضروری چیک پوسٹوں کے خاتمے کا مطالبہ

نوشکی پاک ایران قومی شاہراہ این 40 پاکستان کو ایران اور یورپ سے ملاتی ہے۔ اس بین الاقوامی شاہراہ پر نوشکی سے کوئٹہ تک 145 کلومیٹر سفر کرنا کسی عذاب سے کم نہیں ہے۔ نوشکی سے کوئٹہ تک سفر کرنے والے مسافروں کو نصف درجن سے زائد سیکورٹی چیک پوسٹوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان میں ایف سی، پولیس، لیویز اور کسٹم کی چیک پوسٹیں شامل ہیں۔ ہر چیک پوسٹ پر چیکنگ کے دوران دس سے پندرہ منٹ اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ وقت لگتا ہے جس کی وجہ سے اس قیامت خیز گرمی میں مسافروں بالخصوص خواتین، بچوں اور مریضوں کو انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لکپاس ایف سی چیک پوسٹ پر گھنٹوں تک ٹریفک جام رہنا معمول بن چکا ہے۔ کوئٹہ سے کراچی، قلات، مکران ڈویژن اور ایران جانے والے زائرین اور یورپ جانے والے کئی سیاح اس ٹنل سے گزرتے ہیں۔ بلوچستان میں معیاری مراکز صحت اور دیگر سہولیات کی عدم فراہمی کے باعث رخشان، قلات، اور مکران ڈویژن میں کسی حادثے کی صورت میں علاج معالجہ کے لیے صوبائی دارالحکومت کوئٹہ آنے والے مریضوں کی راستے میں اموات واقع ہو جاتی ہیں کیونکہ انہیں بروقت اسپتال نہیں پہنچایا جا سکتا۔ لہذا شہریوں نے آئی جی ایف سی بلوچستان، وزیر اعلیٰ بلوچستان، وزیر داخلہ چیف سیکرٹری بلوچستان اور دیگر اعلیٰ حکام کی توجہ اس مسئلہ کی جانب مبذول کراتے ہوئے مطالبہ کیا ہے لکپاس ٹنل سے متصل پہاڑی سلسلہ میں واقع چیک پوسٹ کو مناسب جگہ منتقل کر کے بلوچستان کے عوام کو مشکلات سے نجات دلائی جائے۔

(محمد سعید)

دستی بم حملے میں تین افراد زخمی

خیبر تھانہ باڑہ کی حدود میں دو مقامات پر نامعلوم افراد کے جانب سے دستی بم حملے میں تین افراد زخمی ہو گئے۔ تھانہ باڑہ کی حدود شلوبر قمبر آباد میں پیٹرول پمپ پر نامعلوم افراد نے ہینڈ گرنیڈ سے حملہ کیا جس کے نتیجے میں تین افراد شاہ گل ولد قیوم، سید اللہ ولد میران اور صدیق ولد سید باچا زخمی ہو گئے جن کو طبی امداد کیلئے ہسپتال منتقل کیا گیا ہے۔ جبکہ دوسرا حملہ باڑہ بازار سراج الدین مدرسہ سے متصل پولیس چوکی پر ہوا جہاں نامعلوم افراد نے دستی بم پھینکا گیا جس سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا تاہم پولیس کی جوابی کی فائرنگ سے حملہ آور فرار ہو گئے۔ (مسعود شاہ)

استاد کے قتل کا سودا

توصیف احمد خان

ڈاکٹر اجمل ساوند کے قتل کا سودا ہوگیا۔ جرگے کے فیصلے کے مطابق ڈاکٹر اجمل ساوند کے خون کا معاوضہ ایک کروڑ روپے طے پایا۔

ڈاکٹر اجمل ساوند ایک ذہین طالب علم تھے، انھوں نے دنیا کی مشہور فرانس کی Descartes University سے آرٹیفیشل انٹیلی جنس کے مضمون میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔

ڈاکٹر اجمل ساوند کا مستقبل روشن تھا، وہ یورپ اور امریکا کی کسی یونیورسٹی میں ملازمت کرسکتے تھے مگر اجمل ساوند نے ملک واپس آکر سندھ کی خدمت کرنے کا فیصلہ کیا اور آئی بی اے سکھر کے کمپیوٹر سائنس کے شعبے میں تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ڈاکٹر اجمل کسی قبائلی جھگڑے میں کبھی شامل نہ ہوئے، وہ اور ان کے قبیلے کے کئی تعلیم یافتہ نوجوان سکھر اور کراچی میں اس لیے رہنے لگے تھے، تاکہ قبائلی جھگڑوں سے محفوظ رہیں۔

انھیں گزشتہ سال ایک قبیلے کے جنگجوؤں نے اس وقت قتل کیا تھا جب وہ کندھ کوٹ کے کچے کے علاقے میں اپنی زمینوں پر گئے تھے۔ ڈاکٹر اجمل ساوند کے قتل کا تعلیمی حلقوں میں خاصا غم منایا گیا تھا۔ سندھ کی حکومت نے قاتلوں کی گرفتاری کے عزم کا اظہار کیا مگر ڈاکٹر اجمل ساوند کے قاتلوں کی گرفتاری کے لیے عملاً کچھ نہ ہوا۔ ایک رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ ڈاکٹر اجمل ساوند نے قبیلہ کے جنگجوؤں کو بھتہ دینے سے انکار کیا تھا۔

قومی اخبارات میں شائع ہونے اور ٹی وی چینلز پر نشر ہونے والے مواد سے ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتہ مہینے سندھ اور پنجاب کی سرحد سے متصل گھوٹکی ضلع کے گاؤں خان گڑھ میں گرانڈ جرگہ منعقد ہوا۔ اس جرگہ میں برسر اقتدار جماعت کے ارکان بھی شامل تھے۔ سکھر ضلع کی پولیس نے جرگہ کے ارکان کے تحفظ کے لیے انتہائی سخت اقدامات کیے تھے۔ جرگہ نے فریقین کے دلائل و واقعات کو غور سے سنا تو پتا چلا کہ سندرانی قبیلہ کو 12 افراد کے قتل کا ذمے دار قرار دیا گیا جس میں ڈاکٹر اجمل ساوند کا قتل بھی شامل تھا۔ ایک رپورٹ کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرگہ کے دو سیشن ہوئے۔

ساوند اور سندرانی قبیلہ کے عمائدین نے رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں دلائل دیے۔ فیصلہ جرگہ کے شرکاء کے سامنے پڑھا گیا۔ اس فیصلہ میں کہا گیا کہ دونوں قبائل کے درمیان گزشتہ دو برسوں کے دوران ہونے والے تصادم کے مختلف واقعات میں 24 افراد ہلاک اور 20 کے قریب افراد زخمی ہوئے تھے۔ جرگہ کے فیصلہ میں مرنے اور زخمی ہونے والے افراد کے سماجی مرتبہ کے تحت معاوضہ کی رقم کا تعین کیا گیا۔

اس فیصلے کے تحت ساوند قبیلہ کے 13 افراد کی ہلاکت اور 12 زخمیوں کا معاوضہ 32.1 ملین طے ہوا۔ جرگہ کے فیصلے کے مطابق ساوند قبیلہ کے افراد سندرانی قبیلہ کے 11 افراد کے قتل اور 8 کے زخمی ہونے کے معاوضہ کے طور پر 35.1 ملین رقم ادا کرنے کے پابند ہونگے۔ اسی طرح پروفیسر اجمل ساوند اور ایک وکیل نور الٰہی کے قتل کے عوض ایک ایک کروڑ روپے اور ساوند قبیلہ کی ایک نوجوانی لڑکی بشرہ ساوند کے قتل کا معاوضہ 4 ملین طے ہوا۔ جرگہ کے اختتام پر واضح طور پر اعلان کیا گیا کہ اگر کوئی فریق اس معاہدے کی خلاف ورزی کرے گا تو اس فریق پر 20 ملین روپے جرمانہ ہوگا۔

سندھ میں جرگہ کے انعقاد پر پابندی ہے۔ سندھ ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس رحمت حسین جعفری نے 23 اپریل 2004 کو ایک معرکتہ الآراء فیصلے میں جرگہ کے نظام کو آئین اور قانون کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے جرگہ کے انعقاد کو غیر قانونی قرار دیا تھا۔ سپریم کورٹ نے پشاور ہائی کورٹ کے فیصلہ کو رد کرتے ہوئے جرگہ کے انعقاد کو غیر قانونی قرار دیا تھا۔ فاضل عدالتوں کے ججوں نے لکھا تھا کہ جرگہ کا نظام انصاف کے جدید نظام کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔

ان فیصلوں میں کہا گیا تھا کہ ان جرگوں میں عورتوں کو شرکت کی اجازت نہیں ہوتی اور جرگہ کا انعقاد کرنے والے عورتوں کا مؤقف جانے بغیر فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ سپریم کورٹ نے 2019 میں کیے گئے فیصلہ میں یہ بھی کہا تھا کہ پاکستان انسانی حقوق کے عالمی چارٹر (UDHR) کا پابند ہے۔ اس چارٹر کی شق 7 اور 8 کے تحت ریاست ہر فرد کو انصاف کے حصول کے لیے یکساں مواقع فراہم کرنے کی پابند ہے، مگر جرگہ میں اس اصول کو پامال کیا جاتا ہے۔

انسانی حقوق کی تحریک کے سرگرم کارکن اور سینئر صحافی آئی اے رحمٰن نے جرگہ کے نظام کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے مضامین تحریر کیے اور اس بارے میں عدالتوں کے فیصلوں پر عملدرآمد کرنے کے لیے مسلسل کوشش کی۔ آئی اے رحمٰن نے ایک آرٹیکل میں لکھا تھا کہ جرگہ کا انعقاد انسانی حقوق کے بارے میں بین الاقوامی کنونشنز اور آئین کی متعلقہ دفعات کی واضح خلاف ورزی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ جرگہ کے نظام میں خواتین کی نمایندگی نہیں ہوتی۔ اندرونِ سندھ کام کرنے والے انسانی حقوق کے کارکنوں کا کہنا ہے کہ جرگہ کے انعقاد کے بہت سے مضمرات ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ جب بھی جرگہ کا انعقاد ہوتا ہے تو جن فریقوں کے مقدمات جرگہ میں پیش ہوتے ہیں متعلقہ سردار کو خطیر معاوضہ ادا کرتے ہیں، تب کہیں جا کر متعلقہ سردار جرگہ کے انعقاد پر تیار ہوتے ہیں۔ اگرچہ جرگہ کے فیصلہ کے تحت دو قبائل میں فوری طور پر تو جنگ بندی ہوجاتی ہے مگر جرگہ میں کبھی قاتلوں کی نشاندہی نہیں ہوتی، یوں قاتلوں کو سزا نہیں ہوتی اور اپنے حلقہ میں سرخ رو ہوجاتے ہیں۔

اس طرح نوجوانوں کے لیے ان افراد کی شخصیت پرکشش ہوجاتی ہے۔ برسوں بعد یہ خبریں بھی آتی ہیں کہ نوجوان لڑکے نے برسوں قبل ہونے والے والد، بھائی، چچا اور ماموں کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے دوسرے قبیلے کے شخص کو قتل کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ جرگوں کے انعقاد اور ان میں کیے گئے فیصلوں کے باوجود اندرونِ سندھ مخالفین کے قتل کا سلسلہ جاری رہتا ہے مگر بعض وکلاء جرگہ کے انعقاد کی ذمے داری انصاف کے جدید نظام کے نقائص اور پولیس کے نظام پر عائد کرتے ہیں۔

ابھی تک ملک میں پولیس کا نظام اتنا فرسودہ ہے کہ عام آدمی کے کسی بھی مقدمے کی تفتیش فوری طور پر ممکن نہیں ہوتی اور عموماً پولیس والے ملزمان کو بچانے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ مقدمات کے فیصلوں میں برسوں لگ جاتے ہیں۔ عام آدمی انصاف کی خواہش لیے دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے مگر ایک اور حقیقت یہ بھی ہے کہ سندھی معاشرے میں جدید تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں ہوتی نظر آتی ہیں۔ اب ہر گھر میں لڑکے کے ساتھ لڑکی کے تعلیم حاصل کرنے کے حق کو تسلیم کرلیا گیا ہے۔

نوجوان جدید تعلیم کے ساتھ نئے پیشے اختیار کررہے ہیں اور اپنے آبائی گھروں کو چھوڑ کر شہروں میں منتقل ہورہے ہیں بلکہ یورپ اور امریکا جارہے ہیں۔ اسی طرح خواتین تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ تعلیم، صحت، پولیس اور انتظامی محکموں میں کام کررہی ہیں، یوں معروف سماجی سائنس دان پائی (Pye) کے جدید معاشرے کے کچھ لوازمات پورے ہوتے نظر آتے ہیں مگر ان تمام لوازمات کے پورے ہونے کے باوجود قبائلی نظام کی مضبوطی کچھ دیگر حقائق کی نشاندہی کررہی ہے۔ سندھی سماج کے ماہر سہیل سانگی نے جرگہ نظام کے بارے میں یہ تجزیہ کیا ہے۔

''سندھ میں تنازعات کے حل کے لیے ریاستی قانون ہاتھ میں لینے کے بجائے جرگوں کا راستہ چنا گیا ہے۔ پہلا بڑا جرگہ ساوند سندرانی تنازع ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ریاستی قانون کے نفاذ کے لیے اقدامات کیے جاتے لیکن اس کے بجائے ریاست کے اندر ریاست قائم کرنے والے سرداری نظام کو مضبوط کرنے پر زور دیا جاتا ہے... سرداروں کا دعویٰ رہا ہے کہ جرگے فوری انصاف کا ذریعہ ہیں۔

غیر قانونی اور ناانصافی پر مبنی عمل سے کس قسم کا فوری انصاف مل سکتا ہے؟ ماضی میں کئی برادریوں کے تنازعات جرگوں میں طے پاچکے ہیں لیکن کچھ عرصے بعد یہ جھگڑے پھر بھڑک اٹھتے ہیں۔ غیر قانونی اسلحہ سندھ میں قبائلی دہشت گردی کی لائف لائن ہے۔ جب تک ان کی یہ لائف لائن نہیں کٹتی یہ لڑائیاں ہوتی رہیں گی اور یہ جرگے کوئی نتیجہ نہیں دے سکیں گے، نہ ملزمان کو سزا ہوئی نہ ملزمان سامنے آئے۔ ہرجانہ بھی ملزمان نے نہیں برادری نے ادا کیا۔ مزید یہ کہ ملزمان کی سماجی طور پر بھی مذمت نہ ہوئی، بلکہ اب تو قاتل ہونے کے باوجود شیر بن کر گھومیں گے اور عام لوگوں کے دہشت بنے رہیں گے۔''

ترقیات کے ماہرین کا کہنا ہے کہ جدید صنعتی نظام ہی سماج کی شکل تبدیل کرتا ہے مگر سندھ میں مجموعی طور پر صنعتیں نہیں لگی ہیں۔ اسی بناء پر سماج کی ہیت تبدیل نہیں ہو پارہی، یوں عام آدمی ذہنی طور پر قبائلی معاشرے سے جڑا ہوا ہے۔ اندرونِ سندھ پیپلز پارٹی پر سرداروں اور بڑی جاگیر رکھنے والوں کا غلبہ بڑھتا جارہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس جرگہ میں پیپلز پارٹی کے سینئر رہنماؤں نے شرکت کی جو قانون کی دھجیاں اڑانے کے مترادف ہے۔ ایک سندھی صحافی نے لکھا ہے کہ ''آخر کار پروفیسر اجمل ساوند کا خون بھی فروخت ہوگیا۔''

درجنوں ہاریوں اور بھٹہ مزدوروں کی رہائی

عمر کوٹ یکم جولائی کو سیشنز کورٹ عمرکوٹ کے حکم پر بودر فارم پولیس نے تحصیل سامارو کی دیھ ہیرل کے زمیندار عبدالمجید قائم خانی کی زرعی زمین پر چھاپہ مار کر جبری مشقت کے شکار 36 ہاریوں کو بازیاب کیا۔ عدالت نے بازیاب ہونے والے ہاریوں کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق آزاد زندگی گزارنے کی اجازت دی۔ جبکہ نارائن بھیل اور ہیرو بھیل کی درخواستوں پر 4 جولائی کو سیشن کورٹ عمرکوٹ کے حکم پر کنری پولیس نے گوٹھ فقیر عبداللہ انڑ میں سمت اللہ پٹھان اور کلا خان پٹھان کے اینٹوں کے بھٹوں پر چھاپہ مار کر جبری مشقت کے شکار 61 بھٹہ مزدوروں کو بازیاب کیا جن میں 14 عورتیں، 15 مرد اور 32 بچے شامل تھے۔ بازیاب ہونے والوں میں چھمی، بینا، امرتا، چمپا، مولاں، کرشن، اجمل، پون، راجا اور دیگر شامل تھے۔ بازیاب ہونے والے بھٹہ مزدوروں کے مطابق بھٹہ مالکان حساب کتاب نہیں کرتے تھے اور ان سے سخت جبری مشقت کراتے تھے۔ ان کے بچے بھوکے ہوتے تھے جس سے تنگ آکر انہوں نے عدالت سے رجوع کیا۔ عدالت نے بازیاب ہونے والے بھٹہ مزدوروں کو اپنی پسند کے مطابق آزاد زندگی گزارنے کی اجازت دی۔ (نامہ نگار)

پائیدار امن کے قیام کا مطالبہ

مہمند "مہمند کے قبائل امن پسند لوگ ہیں اور اپنے علاقے میں امن اور ترقی چاہتے ہیں۔ قبائل اب مزید جنگ کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ قبائلی اضلاع سمیت پختونخواہ کے دیگر علاقوں میں فوجی آپریشنز میں ایک لاکھ سے زائد پشتون شہید ہوچکے ہیں۔ پہلے ان کا حساب دیا جائے۔ ہم کسی بھی قسم کے فوجی آپریشن کو نہیں مانتے۔" ان خیالات کا اظہار تحصیل حلیمزئی میاں منڈی بازار میں امن پاسون سے ضلع مہمند کی مختلف سیاسی جماعتوں کے سربراہان سمیت اہم رہنماؤں نے کیا جن میں پی ٹی آئی کے سینئر رہنما سجاد مہمند، جمعیت علمائے اسلام ضلع مہمند کے امیر مفتی محمد عارف حقانی، مہمند سیاسی اتحاد کے صدر جنگریز خان مہمند، زاہد خان، تفسیر مہمند، پی ٹی ایم کے رزاق صافی، سابقہ سینٹر حافظ رشید احمد، مہمند ویلفیئر آرگنائزیشن کے صدر میر افضل مہمند، صفدر مہمند، حق دو تحریک کے عبدالمجید خان شامل تھے۔ قوم مصنوعی دہشت گردی، بدامنی اور ڈالری جنگ کو نہیں مانتی۔ اور انہیں کسی قسم کا فوجی آپریشن منظور نہیں۔

(مکمل خان)

اساتذہ تنخواہوں سے محروم

نوشکی نوشکی بیسک کمیونٹی ایجوکیشن اسکولز کے اساتذہ نے ایک بیان میں وزیراعلیٰ بلوچستان، وزیر تعلیم بلوچستان اور سیکریٹری تعلیم سے مطالبہ کیا ہے کہ ضلع نوشکی سمیت بلوچستان میں بیسک کمیونٹی ایجوکیشن اسکولز کے اساتذہ کی تنخواہوں کی ادائیگی ترجیحی بنیادوں پر عمل میں لائی جائے۔ گزشتہ 18 سالوں سے بلوچستان کے مختلف اضلاع میں 5 سو سے زائد اساتذہ اکرام جن میں 95 فیصد خواتین اساتذہ شامل ہیں اپنے فرائض منصبی انتہائی قلیل اعزازیہ پر سرانجام دے رہے ہیں۔ گزشتہ تین سالوں سے اساتذہ اکرام کو اعزازیہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے معاشی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ گزشتہ سال صوبائی حکومت کے نوٹیفکیشن کے مطابق اساتذہ کو گورنمنٹ اسکولوں میں تعینات کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک سال سے اساتذہ سرکاری تعلیمی اداروں میں اپنے فرائض منصبی سرانجام دے رہے ہیں۔ تین سال کا اعزازیہ اور ایک سال کی تنخواہوں کی عدم ادائیگی اساتذہ اکرام کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کے مترادف ہے۔ دیگر صوبوں میں مذکورہ پروجیکٹ میں کام کرنے والے اساتذہ کو تین سال قبل سرکاری تعلیمی اداروں میں ضم کر دیا گیا تھا لیکن بلوچستان حکومت کی عدم توجہی کے باعث یہاں کے اساتذہ مشکلات سے دوچار ہیں۔ اساتذہ نے پریس کلب کے سامنے احتجاج اور مظاہرے بھی کیے لیکن ان کے مطالبات کی کوئی شنوائی نہیں ہورہی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ بیسک کمیونٹی ایجوکیشن میں فرائض سرانجام دینے والے اساتذہ کے اعزازیہ اور تنخواہوں کی ادائیگی اور انہیں مستقل کرنے کے احکامات صادر کیے جائیں۔ (محمد سعید)

ضلعی ہیڈکوارٹر کے قیام کا مطالبہ

نوشکی نوشکی کا شمار بلوچستان کے قدیم اضلاع میں ہوتا ہے۔ 14 جولائی 1906 میں ضلع چاغی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ نوشکی کو ضلعی ہیڈکوارٹر کا درجہ دیا گیا۔ مسٹر برے چاغی کے پہلے سیاسی ایجنٹ مقرر ہوئے۔ 1906 سے 1947 تک 41 انگریز سیاسی ایجنٹوں نے اپنے فرائض منصبی سرانجام دیئے۔ 14 اگست 1947 کو قیام پاکستان کے بعد سے اب تک 82 سیاسی ایجنٹ اور ڈپٹی کمشنر اپنے فرائض منصبی سرانجام دے چکے ہیں۔ لیکن ستم ظریفی کا مقام ہے کہ 118 سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی ضلعی سربراہ کے لیے دفتر کا قیام عمل میں نہیں آسکا جو کہ صوبائی حکومت اور نوشکی کے منتخب عوامی نمائندوں کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے۔ 2004 میں چاغی کو رقبے کی بنیاد پر دو اضلاع چاغی اور نوشکی میں تقسیم کر دیا گیا۔ چاغی کا نیا ضلعی ہیڈکوارٹر دالبندین مقرر کیا گیا۔ تین چار سالوں میں دالبندین میں ضلعی سیکرٹریٹ کا قیام عمل میں لایا گیا لیکن نوشکی بدستور ضلعی سیکرٹریٹ سے محروم ہے۔ ڈپٹی کمشنر، ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر اور اسسٹنٹ کمشنر لوکل گورنمنٹ کے دفاتر پر قابض ہیں جس کی وجہ سے لوکل گورنمنٹ کے ملازمین کو اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ نوشکی میں ضلعی سیکرٹریٹ نہ ہونے کی وجہ سے جہاں ڈپٹی کمشنر، ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر اور اسسٹنٹ کمشنر کے عملہ کو مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہیں عوام کو بھی دشواریوں اور وقت کے ضیاع سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ڈپٹی کمشنر آفس کے احاطے میں سیکریٹیٹ کے لیے خالی اراضی موجود ہے جو ضلعی سیکرٹریٹ کے لیے موزوں جگہ ہے۔ نوشکی کے افسران کی مشکلات اور عوام کی دشواریوں اور وقت کے ضیاع کو مدنظر رکھتے ہوئے نوشکی میں ضلعی سیکرٹریٹ کے منصوبے پر ترجیحی بنیادوں پر عمل درآمد کیا جائے۔ ضلعی سیکرٹریٹ کے قیام سے جہاں اداروں کی کارکردگی پر مثبت اثرات مرتب ہونگے وہیں عوام کو بہتر سروس کی فراہمی ممکن ہوگی۔ موجودہ بجٹ کے پی ایس ڈی پی میں بھی سیکریٹریٹ کی تعمیر کو نظرانداز کردیا گیا ہے۔ (محمد سعید)

سینئر ٹیچر کا اغوا

لنڈی کوتل لنڈی کوتل پریس کلب میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آل ٹیچرز ایسوسی ایشن لنڈی کوتل (اے ٹی اے) کے رہنماؤں چیئرمین زاہد شاہ، ڈپٹی چیئرمین ملک نادر شاہ، فرمان شینواری، شاداکبر، خان بہادر اور شفیق الرحمان سمیت کثیر تعداد میں سینئر و جونیئر ٹیچرز نے کہا کہ 2 جولائی کو استاد ستانہ گل آفریدی کو تحصیل گیٹ کے سامنے سے نامعلوم افراد نے اٹھایا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ایس ایچ او لنڈی کوتل سے ملاقات کی لیکن وہاں سے کوئی مناسب جواب نہیں ملا۔ ان کا کہنا تھا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے اگر کسی ٹیچر سے کسی معاملے میں پوچھ گچھ کرنی ہوتو ان سے عزت واحترام کے دائرے میں رہ کر پوچھ گچھ کرنی چاہیے۔ یوں اغواء نہیں کرنا چاہیے۔ اساتذہ کو تحفظ فراہم کرنا انتظامیہ کی ذمہ داری ہے۔ تھانہ لنڈی کوتل کے محرر کا کہنا تھا کہ استاد ستانہ گل سے سرسری تفتیش کے بعد انہیں واپس بھیج دیا گیا تھا۔

(منظور آفریدی)

باپ نے پندرہ روز کی زندہ بچی دفن کردی

نوشہرو فیروز کنڈیارو کے نواحی گاؤں لونگ راجپر کے رہائشی طیب راجپر نے اپنی پندرہ دن کی بچی کے علاج کے لیے پیسے نہ ہونے کی وجہ سے اسے زندہ دفن کر دیا۔ اطلاع ملنے پر ایس ایس پی نوشہرو فیروز کے حکم پر کنڈیارو پولیس نے ملزم طیب راجپر کو گرفتار کرلیا۔ طیب نے اعتراف جرم کرتے ہوئے کہا کہ وہ غریب آدمی ہے۔ دن بھر مزدوری کر کے بمشکل بچوں کے لئے دو وقت کی روٹی کما پاتا ہے۔ جیسے ہی بچی پیدا ہوئی تھی اس نے محلے والوں کو دے دی تھی۔ تاہم، بچی کے بیمار رہنے کے بعد انھوں نے بچی اسے واپس کردی تھی۔ اس کے پاس علاج کے لئے پیسے نہیں تھے جس کے باعث بچی کو مقامی قبرستان میں زندہ دفن کر دیا۔ ملزم نے بچی کی قبر کی نشاندہی بھی کی۔ ملزم طیب راجپر کو کنڈیارو پولیس نے حوالات میں بند کر دیا ہے۔ واقعے کی مزید تفتیش جاری ہے۔ پولیس نے طیب راجپر کے خلاف مقدمہ درج کرلیا تھا۔

(الطاف حسین قاسمی)

ماں اور کمسن بچی کا مبینہ اغوا

عمرکوٹ 5 جولائی کو سامارو شہر کے قریبی گوٹھ سلیمان بھرگڑی کے رہائشی وقار بھرگڑی نے پولیس تھانہ سامارو میں اپنی بیوی اور بچی کے اغوا کا مقدمہ درج کراتے ہوئے مؤقف اختیار کیا کہ اس کی بیوی فاطمہ بھرگڑی اور ڈیڑھ سالہ معصوم بچی سوہانا کو ہتھیاروں سے مسلح عبدالحمید، ماجد بھرگڑی اور ایک نامعلوم ملزم نے اغوا کرلیا ہے۔ سامارو پولیس نے اغوا کا مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کردی تھی۔

(نامہ نگار)

نامعلوم افراد کی فائرنگ سے خاتون جاں بحق

میانوالی تفصیلات کے مطابق شمیم بی بی زوجہ زاہد نواز والدین کے گھر سے واپس اپنے گھر جا رہی تھیں کہ کندیاں موڑ کے نزدیک چک نمبر چار ڈی بی کے پاس نامعلوم مسلح افراد نے فائرنگ کردی۔ گولیاں لگنے سے شمیم بی بی موقع پر دم توڑ گئیں جبکہ ملزمان وقوعہ کے بعد جائے واردات سے فرار ہوگئے۔ واقعے کی اطلاع پر ڈی ایس پی پپلاں اور تھانہ کندیاں کی پولیس جائے وقوعہ پر پہنچ گئی۔ جائے وقوعہ سے شواہد اکٹھے کئے گئے اور لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے ہسپتال منتقل کردیا گیا۔ واقعے کا مقدمہ درج کرلیا گیا ہے۔ وقوعہ 14 جولائی کو پیش آیا تھا۔

(محمد رفیق)

مبینہ پولیس مقابلے میں ہلاک شخص کی اہلیہ نے خودکشی کرلی

ٹنڈو محمد خان بلڑی شاہ کریم پولیس کے مبینہ پولیس مقابلہ میں جاں بحق ہونے والے سکندر ملاح کی بیوی عطیہ ملاح نے دلبرداشتہ ہوکر زہر آلود کیمیکل پی کر خودکشی کرلی ہے۔ ورثاء نے مبینہ پولیس مقابلے کے خلاف احتجاج کیا۔ ایس ایس پی نے واقعے کا نوٹس لیتے ہوئے سب انسپکٹر اور دو اہلکار معطل کر دیے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق، ٹنڈو محمد خان کی تحصیل بلڑی شاہ کریم میں مبینہ پولیس مقابلہ میں زخمی سکندر ملاح سول ہسپتال حیدرآباد میں جاں بحق ہوگیا۔ سکندر ملاح کے فوت ہونے کی خبر سنتے ہی اس کی بیوی عطیہ ملاح نے گھر میں پہلے سے موجود کپڑوں کی دھلائی کا کیمیکل بلیچ پاؤڈر پانی ملا کر پی لیا جس کو سول ہسپتال حیدرآباد داخل کیا گیا جہاں وہ پانچ روز موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہوکر جاں بحق ہوگئی۔ اطلاع ملتے ہی ورثاء نے لاش لے کر حیدرآباد ٹنڈو محمد خان روڈ پر رکھ کر روڈ بند کر دیا جس کی وجہ سے چار گھنٹے تک ٹریفک کی روانی متاثر رہی۔ دھرنے میں مظاہرین نے الزام لگایا کہ پولیس نے سکندر ملاح کو گرفتار کر کے جعلی مقابلہ میں قتل کیا ہے جس کا مقدمہ درج کیا جائے۔ دوسری جانب ایس ایس پی نے واقعے کا نوٹس لیتے ہوئے ایک سب انسپکٹر اور دو پولیس اہلکاروں کو معطل کر کے تفتیش کے لیے انکوائری کمیٹی قائم کردی ہے۔

(محمد رمضان شورو)

25 ہزار سے زائد والدین کا بچوں کو پولیو قطرے پلوانے سے انکار

کراچی ملک کے سب سے بڑے شہر، سندھ کے دارالحکومت کراچی میں پولیو کیسز میں اضافے کا خدشہ پیدا ہوگیا جب کہ مستقل بیماری کا باعث بننے والے وائرس کے انسداد کے لیے حالیہ مہم کے دوران 25 ہزار سے زائد والدین نے بچوں کو پولیو کے قطرے پلوانے سے انکار کردیا۔

ایمرجنسی آپریشن سینٹر سندھ کے کوآرڈینیٹر ارشاد علی نے اس انکشاف کی تصدیق کی اور والدین سے بچوں کو قطرے پلوانے کی درخواست کی۔

اپنے بیان میں انہوں نے کہا کہ جون کی پولیو مہم کے دوران 25 ہزار والدین نے پولیو کے قطرے پلوانے سے انکار کردیا۔

یاد رہے کہ جون میں کراچی کے ضلع کیماڑی میں 3 سالہ بچی کے پولیو وائرس کے سبب معذور ہونے کا کیس سامنے آیا تھا، 3 جون کو سامنے آنے والے وائرس کا تعلق پولیو وائرس کے 'وائے بی تھری اے' کلسٹر سے تھا، یہ 2024 میں کراچی میں سامنے آنے والا پہلا کیس تھا۔

کیماڑی میں پولیو کیس رپورٹ ہونے کے بعد انسداد پولیو کی خصوصی مہم کا آغاز کردیا گیا ہے۔ 13 جولائی تک ضلع کیماڑی میں 5 سال تک کی عمر کے بچوں کو پولیو سے بچاؤ کے قطرے پلائے جائیں گے۔

گزشتہ ماہ قومی ادارہ صحت کا کہنا تھا کہ رواں سال ملک میں پولیو کیسز کی تعداد 8 ہوگئی ہے۔

قومی ادارہ صحت نے کہا کہ وائے بی تھری اے کلسٹر 2021 میں پاکستان میں ختم ہوگیا تھا اور جنوری 2023 میں سرحد پار سے ملک میں واپس آیا تھا، اس وقت سے یہ کلسٹر 150 سے زائد ماحولیاتی نمونوں اور 5 کیسز میں پایا گیا ہے۔

(بشکریہ ڈان)

نادرا مرکز میں خواتین کو شدید مسائل کا سامنا

چمن بلوچستان کے دوسرے بڑے شہر چمن میں 7 لاکھ سے زائد نفوس آباد ہیں مگر وہاں خواتین کیلئے صرف ایک نادرا دفتر ہے جس کی کارکردگی مایوس کن ہے۔ معروف صحافی عبدالہادی اچکزئی نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے سابق ضلعی کوآرڈینیٹر محمد صدیق مدنی کو بتایا کہ چمن شہر میں خواتین کے لیے بنائے گئے نادرا مرکز میں کام سست روی سے ہوتا ہے جس سے وہاں جانے والی عورتوں کو بڑے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ صرف چند ایک عورتوں کے درخواست فارم لے کر دیگر کو گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ مقررہ وقت ختم ہوگیا ہے تو کبھی انٹرنیٹ سروس کی بندش کا بہانہ بنایا جاتا ہے جس کی بدولت دور دراز سے آئی ہوئی خواتین مایوس ہوکر گھر چلی جاتی ہیں اور نتیجے میں اپنے شناختی کارڈ کے حصول سے محروم رہتی ہیں۔ اہلیان چمن نے نادرا کے اعلیٰ حکام، وزیراعلیٰ بلوچستان اور اسپیکر بلوچستان اسمبلی عبدالخالق اچکزئی سے پرزور اپیل کی کہ وہ چمن میں نادرا خواتین سینٹر کے عملے کے ناروا رویے کا نوٹس لیں۔

(محمد صدیق مدنی)

پولیس پر کمسن بچے سمیت دو افراد کو لاپتہ کرنے کا الزام

خیبر جمرود شاکس سے تعلق رکھنے والے حیات حسین نے جمرود پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے بھتیجے سمیت چھ افراد شادی میں گئے تھے واپسی پر ایف سی والوں نے پکڑ کر بعد میں جمرود پولیس کمانڈر بخت منیر کے حوالے کیا۔ جمرود پولیس نے چار افراد کو چھوڑ دیئے جبکہ دو افراد حفیظ اللہ ولد عبدالصبور، اور عثمان ولد علی بادشاہ جو کم عمر بھی ہے ان کی تحویل سے لاتعلقی کا اظہار کر دیا ہے۔ حیات حسین نے مزید کہا کہ ہم نے جمرود ایس ایچ او سے معلومات دریافت کی جس نے ان کی تحویل سے انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ چار افراد جو پولیس نے چھوڑ دیئے ہے انہوں نے کہا کہ ہم سب کو ایف سی والوں نے پولیس کمانڈر بخت منیر کے حوالے کیا تھا۔ انہوں نے ڈی پی او خیبر اور سی سی پی او پشاور سے مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے بچے اگر کسی جرم میں قصور وار ہیں تو پھر انہیں عدالت میں پیش کر کے سزا دی جائے اس طرح کم عمر بچوں کو غائب کرنا ناانصافی اور ظلم ہے۔ (مسعود شاہ)

احمدی ڈاکٹر کا قتل

گجرات احمدی عقیدے سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر ذکاالرحمٰن سکنہ لالہ موسیٰ ضلع گجرات کو ان کے ڈینٹل کلینک میں ہدف بنا کر قتل کر دیا گیا۔ وطن عزیز میں احمدیوں کے خلاف مسلسل اشتعال انگیز پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ احمدیوں کے خلاف نفرت پھیلانے اور تشدد کی تلقین کرنے والوں کے خلاف حکومت کارروائی کیوں نہیں کرتی؟ عقیدے کے اختلاف کی بنا پر احمدی ڈینٹسٹ ڈاکٹر ذکاالرحمٰن کو 27 جولائی 2024ء کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا گیا۔ تفصیلات کے مطابق ڈاکٹر ذکاالرحمٰن ڈینٹسٹ اپنے کلینک ذکا ڈینٹل کلینک جی ٹی روڈ لالہ موسیٰ ضلع گجرات میں موجود تھے کہ دو نامعلوم موٹر سائیکل سوار افراد ان کے کلینک کے باہر آئے۔ ایک شخص کلینک کے اندر داخل ہوا اور اس نے ڈاکٹر ذکاالرحمٰن پر فائرنگ کر دی۔ ان کے دل، پیٹ اور بازو پر تین گولیاں لگیں جس کے نتیجہ میں وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ وقوعہ کے بعد قاتل موقع سے فرار ہو گئے۔ ان کے قتل کا افسوسناک وقوعہ تھانہ لالہ موسیٰ ضلع گجرات کی حدود میں پیش آیا۔ مقتول ڈاکٹر ذکاالرحمٰن کی عمر تقریباً 53 سال تھی۔ وہ جماعت احمدیہ کے مقامی عہدیدار تھے۔ ان کا کسی سے کوئی تنازعہ یا لین دین نہ تھا۔ ان کے پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ ایک بیٹا اور تین بیٹیاں شامل ہیں۔ ترجمان جماعت احمدیہ پاکستان عامر محمود نے ڈاکٹر ذکاالرحمٰن کے سفاکانہ قتل کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ گذشتہ ماہ 8 جون کو دو احمدیوں، غلام سرور صاحب اور راحت احمد باجوہ صاحب کو سعد اللہ پور ضلع منڈی بہاالدین اور 4 مارچ کو حاصل پور ضلع بہاولپور میں طاہر اقبال چیمہ صاحب کو احمدی ہونے کی بنا پر قتل کیا گیا۔ سپریم کورٹ کی جانب سے ایک احمدی کو ضمانت دینے اور اس پر نظر ثانی کے حالیہ فیصلے کے بعد احمدیوں کے خلاف جاری نفرت انگیز مہم میں شدت آ گئی ہے۔ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کو بھی اس مذموم مہم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ یہ نفرت انگیز مہم چلانے والے ظاہر ہیں حکومت ان کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کیوں نہیں کرتی؟ نفرت اور تشدد کی تلقین کرنے والوں کو قانون کی گرفت میں لایا جائے تو مذہب کی بنا پر قتل و غارت گری کو روکا جا سکتا ہے۔ ترجمان جماعت احمدیہ نے پاکستان میں احمدیوں کے خلاف متعصّبانہ نفرت انگیز مہم کو روکنے اور ڈاکٹر ذکاالرحمان کے قاتلوں کی گرفتاری اور انہیں قانون کے مطابق کڑی سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ (عامر محمود)

ضلع کرم میں فریقین کے مابین جھڑپیں، 49 افراد جاں بحق

پاراچنار ضلع کرم میں فریقین کے مابین جھڑپیں چھٹے روز بھی جاری رہیں۔ جھڑپوں میں فریقین کے 49 افراد جاں بحق 190 افراد زخمی ہو گئے ہیں۔ ضلعی انتظامیہ اور امن جرگہ ممبران فریقین کے مابین جنگ بندی پر مذاکرات میں کافی حد تک کامیابی ہوئی ہے جبکہ پاڑہ چمکنی اور کڑمان کے مابین جاری جھڑپیں رکوانے کی کوششیں جاری ہیں۔ ضلعی انتظامیہ کے مطابق، اپر کرم بوشہرہ کے مدگی کلی اور مالی خیل قبیلے کے مابین اراضی کے تنازعے پر مسلح لڑائی شروع ہوئی جو کہ فرقہ ورانہ شکل اختیار کر گئی اور ضلع کرم کے دیگر علاقوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا جس کے باعث پیواڑ، تنگی؛ بالشخیل، خار کلے، صدہ، سنگینہ، مقبل؛ کنج علی زئی اور پاڑہ چمکنی کڑمان کے علاقوں میں بھی جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ فائرنگ کے ان واقعات اور کشیدہ صورتحال کے باعث مین شاہراہ آمد و رفت کیلئے بند ہے اور شہریوں کو مشکلات کا سامنا ہے۔ گذشتہ روز جرگہ نے کامیاب مذاکرات کے بعد بوشہرہ میں جنگ بندی کی اور بالش خیل وخار کلی کے مورچوں پر بھی فورسز کی نفری تعینات کی مگر رات گئے پھر سے خار کلی کی جانب سے بالش خیل پر حملہ کیا گیا جس میں متعدد افراد جاں بحق ہو گئے۔ ڈی ایچ کیو ہسپتال پاراچنار کے ایم ایس ڈاکٹر میر حسن جان نے بتایا کہ چھ روزہ جھڑپوں میں 49 افراد جاں بحق جبکہ 190 کے قریب زخمی ہو چکے ہیں۔ آمد و رفت کے راستے بند ہونے کے باعث اشیاء خورد و نوش کی قلت پیدا ہو گئی ہے اور ہسپتالوں میں ادویات ناپید ہو گئی ہیں جبکہ تعلیمی اداروں کی بندش سے طلبہ کا قیمتی وقت ضائع ہو رہا ہے۔ (محمد حسن)

خاتون کی ٹانگیں کاٹ دیں

نوشہرو فیروز ایک لڑکی کے ظالم باپ اور چچاؤں نے دو بچوں کی ماں کو مبینہ طور پر وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد اس کی دونوں ٹانگیں کاٹ دیں۔ گل ٹاؤن نوشہرو فیروز میں دو بچوں کی ماں صوبیہ بتول نے اپنے شوہر کے خلاف خرچہ نہ دینے پر عدالت میں درخواست دی تو ملزم غلام مصطفیٰ (لڑکی کا والد) نے اپنے بھائی اور دیگر ملزمان سے مل کر اپنی بیٹی صوبیہ بتول پر حملہ کر کے اسے سخت تشدد کا نشانہ بنایا اور شدید زخمی کر دیا اور اس کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ پولیس کے مطابق متاثرہ لڑکی نے اپنے شوہر سے طلاق مانگی تھی۔ کچھ دن قبل لڑکی نے تھانہ نوشہرو فیروز میں درخواست دی تھی کہ اس کے باپ اور دیگر رشتیداروں کی جانب سے اسے دھمکیاں مل رہی ہیں اور وہ اپنے شوہر سے طلاق و قانونی تحفظ چاہتی ہے۔ اس کے بعد پولیس نے لڑکی کو متعلقہ کورٹ میں پیش کیا اور عدالت کی ہدایات پر مذکورہ لڑکی کو دارالامان منتقل کیا گیا۔ جس کے کچھ دن بعد اس نے اپنی ماں کے گھر جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ پولیس نے سوشل میڈیا پر خبر آنے کے بعد متاثرہ لڑکی کے والد اور دیگر ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کر لیا ہے۔ پولیس نے کارروائی کر کے مرکزی ملزم قربان شاہ کو گرفتار کر لیا تھا۔

(الطاف حسین قاسمی)

والدین اپنے بچی کی تدفین میں شرکت سے محروم

چمن چمن کے ایک شہری کی بیٹی پاک افغان بارڈر چمن کے اُس پار اسپن بولدک میں انتقال کر گئی تھی لیکن حالیہ گورنمنٹ کے ون ڈاکیومنٹ رجیم پاسپورٹ فیصلے کی وجہ سے والدین اپنے بیٹی کے جنازے میں جانے کی اجازت نہ ملنے پر نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت سے محروم ہو گئے۔ حالانکہ چمن بارڈر پر ایک ہی قوم کے لوگ آباد ہیں اور آس پاس کے علاقے مشترکہ ہیں۔ انہیں چمن اور اسپن بولدک کے دروازوں کے قریب مزل گلی جانے کی اجازت دی گئی، تاکہ بچی کی لاش کو اسپن بولڈک سے سڑک پر لایا جا سکے۔ یہاں دونوں ممالک کے حکام کی موجودگی میں، اس کے والد، بھائیوں اور دیگر رشتہ دار اپنی بچی کا آخری دیدار کر سکے اور بعد میں بچی کو اس کے اہل خانہ اور دیگر قریبی رشتہ داروں کی موجودگی کے بغیر دفن کیا گیا۔

(محمد صدیق شمشاد)

☆ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:								
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال				مہینہ		تاریخ	
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں				محلّہ			
	ڈاک خانہ				تحصیل و ضلع			
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم و رواج سے تعلق ہے	ہاں				نہیں			
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)								
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل								

7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد / زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی / سماجی حیثیت	بچہ / بچی	عورت / مرد	غریب / ان پڑھ	بوڑھا / بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت / زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد / افراد کی معاشی / سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار / زمیندار / بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے / غریب آدمی	بااثر صلاحیت / سیاسی اثر و رسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی / ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان و غیر جانبدار افراد کے کوائف و موقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق / رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار / پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار / اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے / والوں کی رائے				

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں / محلّہ	شہر / ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆ تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کرکے بھیجیں

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موئثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کارروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21: (ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشو نما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشو نما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشو ونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
”ایوان جمہور“ 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر : مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز:
جمال احمد
سید رضا شاہ